Globethics Repository



Kitab al-Tauhid (Volume 1. Part 1 Volume 1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-11-14 15:32:09
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/185311

کتابُ التوحید

جلد اوّل

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042- 7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com



مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِهٖ

مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-ا / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴ / ۹۷۰-۷۳، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	کتاب التوحید ﴿جلد اوّل﴾
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل تا پنجم	:	جون 1999ء تا نومبر 2001ء (5,500)
اِشاعتِ ششم	:	فروری 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	جون 2005ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اپریل 2006ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	اگست 2007ء (1,100)
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	-/400 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

ISBN 969-32-0553-7

نام کتاب	:	کتاب التوحید ﴿جلد اوّل﴾
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل تا پنجم	:	جون 1999ء تا نومبر 2001ء (5,500)
اِشاعتِ ششم	:	فروری 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	جون 2005ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اپریل 2006ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	اگست 2007ء (1,100)
تعداد	:	1,100
قیمت VRG کاغذ	:	-/520 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

اِجمالی فہرست

عنوانات	صفحہ
پیش لفظ	۳۳
باب اَوّل	
توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات	۴۱
باب دوم	
عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ (سورۂ اخلاص کی روشنی میں)	۶۹
باب سوم	
متقابل اَقسام کا اجمالی تعارف	۱۱۹
باب چہارُم	
توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت	۱۳۷
باب پنجم	
توحید فی الأ لوہیت اور شرک فی الأ لوہیت	۱۷۳
باب ششم	
توحید فی الاسماء والصفات اور شرک فی الاسماء والصفات	۳۲۱

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
باب ہفتم	
توحید فی التحریم اور شرک فی التحریم	۳۵۳
باب ہشتم	
توحید فی الأحکام اور شرک فی الاحکام	۴۱۹
باب نہم	
توحید وشرک اور حقیقت ومجاز کا قرآنی تصوّر	۴۶۵
باب دہم	
توحید وشرک اور صفات وافعال میں اشتراک	۴۹۷
باب یازدہم	
توحید کے تناظر میں ”مِنْ دُوْنِ اللہ“ کا صحیح مفہوم	۵۵۵
باب دوازدہم	
توحید کے تناظر میں وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا صحیح مفہوم	۵۸۵
باب سیزدہم	
تعظیم اور عبادت میں فرق	۶۳۹
❁ مآخذ ومراجع	۸۵۷

www.MinhajBooks.com

فہرس

عنوانات	صفحہ
پیش لفظ	۳۳
مبادیاتِ عقیدۂ توحید	۳۹
باب اوّل	
توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات	۴۱
توحید کا لغوی معنی	۴۴
توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم	۴۴
شرک کا لُغوی معنی	۵۴
شرک کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم	۵۵
توحید و شرک کے باب میں چند اہم نکات	۵۶
باب دوم	
عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ (سورۂ اخلاص کی روشنی میں)	۶۹

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
پہلا رکن: واسطۂ رسالت	۷۲
عقیدۂ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت	۷۲
۱۔ ''قل'' عنوانِ رسالت ہے اور ''ھُوَاللہ'' عنوانِ توحید	۷۲
۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم	۷۳
۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط	۷۴
۴۔ وحدت اور توحید میں فرق	۷۶
۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا	۷۶
۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں	۷۸
۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے	۷۹
۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے	۸۱
۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول ﷺ پر انحصار کا نام ہے	۸۱
۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار	۸۴
۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے	۸۵
۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے	۸۶
۱۳۔ توحید پر حضور نبی اکرم ﷺ کی گواہی اصالتہً ہے	۸۷
۱۴۔ توحید پر امتِ مسلمہ کی گواہی نیابتہً ہے	۸۸
۱۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق ومخلوق ہیں	۸۹

عنوانات	صفحہ
۱۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں	۸۹
۱۷۔ توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے	۹۰
دوسرا رکن : ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا	۹۱
۱۔ ضمیرِ غائب ''هُوَ'' کے استعمال کی حکمتیں	۹۱
۲۔ ''هُوَ اللهُ'' عقل کے ادراک سے بلند ہے	۹۵
۳۔ ''هُوَ اللهُ'' حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے	۹۵
۴۔ ''هو اللهُ'' کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے	۹۹
۵۔ ''هُوَ'' کی معرفت کے لئے ''هذا'' کو بھیجا گیا	۱۰۰
۶۔ ''هُوَ'' ادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے	۱۰۲
۷۔ بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت	۱۰۴
تیسرا رکن : اَحَدِیت (اللہ کا ایک ہونا)	۱۰۵
مذاہبِ عالم میں اللہ کی وحدانیت کا تصور	۱۰۶
چوتھا رکن : صَمَدِیت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)	۱۰۷
خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ	۱۰۸
مشترک اور غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق	۱۱۱
پانچواں رکن: لَا وَالِدِیت (کسی کا والد نہ ہونا)	۱۱۲

عنوانات	صفحہ
چھٹا رکن: لَا وَلَدِیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)	۱۱۵
ساتواں رکن: لَا کُفُوِیت (کسی کا اُسکا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونا)	۱۱۶
❁ توحید اور شرک کی متقابل اقسام	
باب سوم	
متقابل اقسام کا اجمالی تعارف	۱۱۹
• توحید کی اقسام	۱۲۱
• شرک کی اقسام	۱۲۶
ثبوتِ شرک کے لئے نفیٔ توحید کی بالصراحت ضرورت ہوتی ہے	۱۳۱
مبادیاتِ الٰہیات کو بغور سمجھنے کی ضرورت ہے	۱۳۲
تضاد کے تعیّن کا منہاج	۱۳۲
توحید اور شرک کے تعیّن کا منہاج	۱۳۳
توحید اور شرک میں بُعد المشرقین	۱۳۵
باب چہارُم	
توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت	۱۳۷

عنوانات	صفحہ
توحید فی الربوبیت کا مفہوم	۱۳۹
شرک فی الربوبیت کا مفہوم	۱۴۷
توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت کی اقسام	۱۴۸
۱۔ توحید فی الذات	۱۴۹
• شرک فی الذات	۱۵۵
۲۔ توحید فی الخلق و الایجاد	۱۵۸
• شرک فی الخلق و الایجاد	۱۶۲
۱۔ قرآن میں اعجازِ مسیحائی کا جامع بیان	۱۶۴
۲۔ انبیاء و اولیاء ''بِاِذْنِ اللہ'' مختار ہوتے ہیں	۱۶۷
۳۔ فعلِ الٰہی کی نسبت بھی اپنی طرف کرنا شرک نہیں	۱۶۸
۴۔ نوازشاتِ الٰہیّہ کو اللہ تعالیٰ کی عطا کہنا شرک نہیں	۱۶۹
۵۔ معنی و اطلاق کی تبدیلی سے شرک باقی نہیں رہتا	۱۷۰
باب پنجم	
توحید فی الألوہیت اور شرک فی الألوہیت	۱۷۳
فصل اَوّل: توحید فی العبادت	۱۸۹
جمہور مفسرین کا نقطہ نظر	۱۹۲

عنوانات	صفحہ
مشرکین کے شرک کی اصل وجہ	۱۹۶
مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت	۱۹۷
• شرک فی العبادت	۲۰۰
۱۔ عبادت صرف اللہ کے لئے ہے	۲۰۰
۲۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے	۲۰۱
۳۔ غیر اللہ کو بطورِ معبود پکارنا شرک ہے	۲۰۲
۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا عینِ توحید ہے	۲۰۵
۵۔ وسیلہ اختیار کرنا خود ردِّ شرک ہے	۲۰۶
فصل دوم: توحید فی القدرت اور شرک فی القدرت	**۲۰۹**
توحید فی القدرت کا قرآنی تصور	۲۱۱
۱۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک	۲۱۲
۲۔ کائنات کی تخلیق اور نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک ہے	۲۱۳
۳۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے خاتمے پر قادر ہے	۲۱۳
۴۔ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا خالق و مالک ہے	۲۱۴
۵۔ بصارت و سماعت کا حقیقی اختیار اسی کے پاس ہے	۲۱۶
• شرک فی القدرت	۲۱۸

عنوانات	صفحہ
۱۔ تغیرِ روز و شب کی قدرت	۲۱۸
۲۔ اللہ جل مجدہٗ کے سوا کوئی رازقِ حقیقی نہیں	۲۱۹
افراد اور وسائل کو ذریعہ اور سبب ماننا شرک نہیں	۲۲۰
۳۔ نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے	۲۲۲
''لَا أملِکُ'' میں قدرت بالذات کی نفی ہے	۲۲۳
۴۔ سرچشمۂ اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	۲۲۸
۵۔ ہدایت و گمراہی کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر سبب کئی ہیں	۲۲۹
۶۔ مخلوق کو مجازاً مالک و مختار جاننا شرک نہیں	۲۳۲
مجازی معنی میں کسی کو مددگار و کارساز کہنا شرک نہیں	۲۳۵
۷۔ تکوینی امور میں انبیاء و اولیاء مأذون من اللہ ہوتے ہیں	۲۳۷
۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ دائرۂ ماذونیت میں مختارِ کُل ہیں	۲۴۱
۹۔ اختیار کی تفویض سنّتِ الٰہیہ ہے	۲۴۱
(۱) حضور ﷺ کا احکامِ منصوصہ میں استثناء کا اختیار	۲۴۳
(۲) حضور ﷺ کا غیر منصوص احکام میں تشریعی اختیار	۲۴۶
فصل سوم: توحید فی الدعا اور شرک فی الدعا	**۲۵۱**
توحید فی الدعا	۲۵۳

عنوانات	صفحہ
قرانِ حکیم میں لفظِ دعا کے معانی	۲۵۴
۱۔ دعا بمعنی دعوت	۲۵۴
۲۔ دعا بمعنی التجا	۲۵۶
۳۔ دعا بمعنی عبادت	۲۵۹
دُعا بمعنی عبادت: جمہور مفسرین کی صراحت	۲۶۳
• شرک فی الدُعا	۲۷۹
فصل چہارم: توحید فی العلم اور شرک فی العلم	۲۸۱
• توحید فی العلم	۲۸۳
اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور حضور ﷺ مطلع علی الغیب ہیں	۲۸۴
نبوّت اور علم غیب کا تعلق	۲۸۴
اطلاع علی الغیب کا اثبات	۲۸۶
رسول اللہ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے	۲۹۱
نبی کا بنیادی فریضہ ہی ''ایمان بالغیب'' کی دعوت ہے	۲۹۳
• شرک فی العلم	۲۹۴
آیت الکرسی کی روشنی میں ایک اشکال کا ازالہ	۲۹۵
۱۔ علم الشہادت	۲۹۷

عنوانات	صفحہ
۲۔علم الغیب	۲۹۷
علمِ غیب کی طرح علم الشھادۃ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے	۲۹۸
علمِ غیب احادیث کی روشنی میں	۳۱۴
باب ششم	
توحید فی الاسماء و الصفات اور شرک فی الاسماء و الصفات	۳۲۱
۱۔توحید فی الاسماء والصفات	۳۲۳
• شرک فی الاسماء و الصفات	۳۳۲
۲۔توحید فی الافعال	۳۳۵
اللہ تعالیٰ کے افعالِ خاصہ کا کسی اور کے لئے اثبات شرک ہے	۳۴۶
• شرک فی الافعال	۳۴۸
شرک اور اس کا محل	۳۴۸
۱۔توحید اور شرک کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے	۳۴۸
۲۔تقریب میلاد النبی ﷺ عین توحید ہے شرک نہیں	۳۵۰
۳۔ایک ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب	۳۵۰

عنوانات	صفحہ
باب ہفتم	
توحید فی التحریم اور شرک فی التحریم	۳۵۳
توحید فی التحریم کا مفہوم	۳۵۵
توحید فی التحریم کی اقسام	۳۵۵
فصل اوّل: توحید فی التحریمات اور شرک فی التحریمات	۳۵۷
حرمتِ تحریمات کا وجوب	۳۵۹
مکہ کو ابراہیم علیہ السلام اور مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم بنایا	۳۶۲
• شرک فی التحریم	۳۶۳
شعائر اللہ کی حرمت کا قرآنی مفہوم	۳۶۵
احترامات اور تحریمات میں فرق	۳۶۷
۱۔ یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام	۳۶۷
۲۔ یومِ نجاتِ نوح علیہ السلام کا احترام	۳۶۸
۳۔ یومِ غلافِ کعبہ کا احترام	۳۶۹
۴۔ یومِ ولادتِ یحییٰ علیہ السلام کا احترام	۳۶۹
۵۔ ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام	۳۷۱

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۶۔ ولادتِ مریم علیہا السلام کا احترام	۳۷۲
۷۔ یومِ ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا احترام	۳۷۲
۸۔ مولدِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے سبب بیتِ لحم کا احترام	۳۷۳
۹۔ یومِ نزولِ مائدہ کا احترام	۳۷۴
۱۰۔ یومِ ولادتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام	۳۷۴
۱۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے یوم میلاد کے احترام کی تخصیص فرمائی	۳۷۵
۱۲۔ آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ'' کے یومِ نزول کا احترام	۳۷۶
فصل دوم: توحید فی النذور اور شرک فی النذور	۳۷۹
توحید فی النذور کا مفہوم	۳۸۱
• شرک فی النذور	۳۸۱
۱۔ خیرات و صدقات اور عمل صالح کی نذر ماننا شرک نہیں	۳۸۳
۲۔ نذر میں شرک کا وقوع کب ہوتا ہے؟	۳۸۴
نیک عمل کا کسی کے نام انتساب	۳۸۵
مطلقاً تقرب الی الغیر شرک فی النذر نہیں ہے	۳۸۷
ذبیحہ کے ذریعے ایصالِ ثواب کا تصور	۳۹۰
جانور کی جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے	۳۹۱
نذر کو اولیاء کرام کی طرف مجازاً منسوب کرنا جائز ہے	۳۹۶

عنوانات	صفحہ
جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کا اعتقاد ایک جیسا نہیں	۳۹۹
اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد اور اعمال میں فرق	۴۰۱
فصل سوم: توحید فی الحلف اور شرک فی الحلف	۴۰۵
توحید فی الحلف کا معنی و مفہوم	۴۰۷
• شرک فی الحلف	۴۰۸
• قرآن اور تعظیمی قسمیں	۴۰۹
۱۔ نورِ محمدی ﷺ کی قسم	۴۰۹
۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کی قسم	۴۱۰
۳۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی قسم	۴۱۱
۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی قسم	۴۱۲
۵۔ آپ ﷺ کے آباء و اجداد کی قسم	۴۱۲
۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک جائے سکونت کی قسم	۴۱۳
۷۔ چہرہ انور اور گیسوئے عنبرین کی قسم	۴۱۴
۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی قسم	۴۱۴
• حلفِ تعظیمی جائز ہے	۴۱۵

عنوانات	صفحہ
باب ہشتم	
توحید فی الأحکام اور شرک فی الاحکام	۴۱۹
• تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کا مشترکہ حق ہے	۴۳۰
• حرام کی حدود رسولِ اکرم ﷺ نے متعین فرمائیں	۴۳۲
• شرک فی الاحکام	۴۳۶
• امر و نہی میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کا اشتراک	۴۳۷
رسولِ اکرم ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے	۴۴۲
حضور ﷺ احکام میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہیں (علامہ ابن تیمیہ کا مؤقف)	۴۵۸
تصورِ شرک اور چند اہم توضیحات	۴۶۳
باب نہم	
توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر	۴۶۵
۱۔ حقیقت و مجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال	۴۶۷
۲۔ عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں	۴۶۸
• نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے	۴۶۸

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
● ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے	۴۶۹
۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں	۴۷۰
۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں	۴۷۰
(۱) لفظِ ''خَلْق'' کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے	۴۷۰
(۲) لفظ ''وَهَّاب'' کا حقیقی اور مجازی استعمال	۴۷۱
(۳) لفظِ ''رَب'' کا حقیقی اور مجازی استعمال	۴۷۴
(۴) ''ایمان'' میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف	۴۷۷
۵۔ حقیقتاً ہادی اور مضل ذاتِ باری تعالیٰ ہے	۴۷۸
۶۔ فعلِ ''یَجْعَلُ'' کی نسبت یومِ حساب کی طرف	۴۸۰
۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت اور مجاز کا استعمال	۴۸۰
۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ	۴۸۱
۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت	۴۸۳
۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت	۴۸۴
۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ	۴۸۴
۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق و مخلوق دونوں کی طرف نسبت	۴۸۸
۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں	۴۹۰
۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے	۴۹۰

عنوانات	صفحہ
۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی ﷺ کا حکم	۴۹۲
۱۶۔ ترک مجاز سے معانیٔ قرآن میں تطبیق نہیں رہتی	۴۹۳
۱۷۔ معانی قرآن کی تطبیق میں احتیاط	۴۹۴
کسی کو نفع و نقصان کا سبب ماننا شرک نہیں	۴۹۵
باب دہم	
توحید و شرک اور صفات و اَفعال میں اِشتراک	۴۹۷
اسماء و صفات میں اشتراک کی مثالیں	۴۹۹
۱۔ اَلشَّفَاعَةُ	۵۰۰
۲۔ عِلمُ الْغَيْبِ	۵۰۰
۳۔ اَلْهِدَايَةُ	۵۰۲
۴۔ اَلضَّلَالَةُ	۵۰۳
۵۔ اَلْعِزَّةُ	۵۰۴
۶۔ اَلرَّؤُوْفُ الرَّحِيْمُ	۵۰۵
۷۔ اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ	۵۰۶
۸۔ اَلنُّوْرُ	۵۰۷
۹۔ اَلشَّهِيْدُ	۵۰۸

عنوانات	صفحہ
۱۰۔ اَلْکَرِیْمُ	۵۰۹
۱۱۔ اَلْعَظِیْمُ	۵۱۰
۱۲۔ اَلْخَبِیْرُ	۵۱۱
۱۳۔ اَلشَّکُوْرُ	۵۱۲
۱۴۔ اَلْعَلِیْمُ	۵۱۲
۱۵۔ اَلْمُعَلِّمُ وَ الْعَلَّامُ	۵۱۳
۱۶۔ اَلْوَلِیُّ وَ الْمَوْلٰی	۵۱۴
۱۷۔ اَلْعَفُوُّ	۵۱۶
۱۸۔ اَلْمُؤْمِنُ	۵۱۷
۱۹۔ اَلْمُهَیْمِنُ	۵۱۹
۲۰۔ اَلْمُبَشِّرُ	۵۱۹
۲۱۔ اَلْفَتَّاحُ	۵۲۱
۲۲۔ اَلْاَوَّلُ وَالْآخِرُ	۵۲۱
۲۳۔ اَلْقَوِیُّ	۵۲۳
۲۴۔ اَلْمَحْمُوْدُ	۵۲۵
۲۵۔ اَلْمُزَکِّیْ	۵۲۶
۲۶۔ اَلسَّمِیْعُ	۵۲۷

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۲۷۔ البَصِیْرُ	۵۲۸
صفاتِ مشترکہ کی حقیقت	۵۲۹
افعال میں اشتراک کی مثالیں	۵۳۰
اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی صفاتِ مشترکہ سے متعلق علامہ ابنِ تیمیہ کا مؤقف	۵۳۵
باب یازدہم	
توحید کے تناظر میں مِنْ دُوْنِ اللہ کا صحیح مفہوم	**۵۵۵**
● مِنْ دُوْنِ اللہ کی حقیقی مراد	۵۵۸
۱۔ باطل عقائد و نظریات	۵۵۸
۲۔ معبودانِ باطلہ	۵۵۸
۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اُلوہیت کی نفی	۵۵۸
۴۔ معبودانِ باطلہ کی بے وقعتی	۵۵۹
۵۔ کفار و مشرکین سے خطاب	۵۵۹
۶۔ معبودانِ باطلہ کے ولی اور شفیع ہونے کا انکار	۵۶۰
● انبیاء و اولیاء ''مِنْ دُوْنِ اللہ'' کا مصداق نہیں	۵۶۰
● آیات کا غیر موزوں اطلاق خوارج کا وطیرہ ہے	۵۶۲

عنوانات	صفحہ
مِنْ دُوْنِ اللہ کا درست اطلاق	۵۶۴
• معبودانِ باطلہ ولی اور نصیر نہیں جبکہ صالحین ولی ہوتے ہیں	۵۶۷
• انبیاء و اولیاء اللہ کے مقابلے میں ''مِنْ دُوْنِ اللہ'' کی بے وقعتی پر مشتمل آیاتِ قرآنی کا تقابلی مطالعہ	۵۶۹
باب دوازدہم	
توحید کے تناظر میں وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا صحیح مفہوم	**۵۸۵**
۱۔ ''أُهِلَّ'' کا لغوی معنی و مفہوم	۵۸۹
۲۔ أُهِلَّ کا صحیح اطلاق	۵۹۱
(۱) إهلال : پہلی رات کا چاند دیکھ کر اچانک آواز بلند کرنا	۵۹۱
(۲) إهلال: عین پیدائش کے وقت بچے کا آواز بلند کرنا	۵۹۱
(۳) إهلال: عین وقتِ ذبح آواز کو بلند کرنا	۵۹۱
(۴) إهلال: خاص مواقع پر آواز بلند کرنا	۵۹۲
(۵) إهلال : تلبیہ پڑھتے ہوئے آواز بلند کرنا	۵۹۲
۳۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا معنی ائمۂ حدیث کی نظر میں	۵۹۲
۴۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا معنی ائمۂ تفسیر کی نظر میں	۶۰۳
أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کی درست تفسیر	۶۱۰

عنوانات	صفحہ
لفظ أَهِلَّة سے استشہاد	۶۱۰
۵۔ غیر اللہ کے نام پر بطورِ عبادت ذبح کرنا حرام ہے	۶۱۲
وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ اور وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے اطلاق میں فرق	۶۱۶
۶۔ صدقات و خیرات ذرائعِ ایصالِ ثواب ہیں ''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ'' میں شامل نہیں	۶۱۸
(۱) کسی کی طرف سے نفل نماز ادا کرنا	۶۲۱
(۲) کسی کی طرف سے روزے رکھنا	۶۲۲
(۳) کسی کی طرف سے حج ادا کرنا	۶۲۴
(۴) کسی کی طرف پانی کا کنواں برائے ایصالِ ثواب منسوب کرنا	۶۲۶
۷۔ تَقَرُّب لِغَيرِ اللهِ والی نذر حرام ہے	۶۲۹
۸۔ اعمالِ صالحہ اور خیرات کے لئے ایّام کا تعین	۶۳۰
(۱) احادیث مبارکہ سے نفلی اعمال کے لئے دن کے تعین کا ثبوت	۶۳۲
(۱) نفلی عبادت کے لئے جگہ اور دن کا تعین	۶۳۲
(۲) نفلی روزہ کے لئے پیر اور جمعرات کا تعین	۶۳۳
(۳) کثرتِ درود و سلام کے لئے جمعۃ المبارک کی تخصیص	۶۳۴
(۴) سفر کے لئے جمعرات کے دن کی تخصیص	۶۳۶
(۵) وعظ و نصیحت کے لئے دن کا تعیّن	۶۳۶

عنوانات	صفحہ
باب سیزدہم	
تعظیم اور عبادت میں فرق	۶۳۹
فصل اوّل: تعظیم اور عبادت کا مفہوم	۶۴۱
تعظیم کا لغوی معنی و مفہوم	۶۴۳
تعظیم کا شرعی معنی و مفہوم	۶۴۵
تعظیم کے اطلاقات	۶۴۷
تعظیم کی اَقسام	۶۵۱
اِنتہائی تعظیم حضور نبی اکرم ﷺ کا حق ہے	۶۶۱
تعظیمِ رسول ﷺ توحیدِ باری تعالیٰ سے متصادم نہیں	۶۶۲
تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ حقیقتِ واحدہ ہیں	۶۶۴
حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں (ابنِ تیمیہ کا عقیدہ)	۶۶۷
ذکرِ الٰہی کی قبولیت بھی تعظیمِ رسول ﷺ سے مشروط ہے	۶۶۸
اَدب و تعظیمِ رسول ﷺ .....ایک نازک اِیمانی امتحان	۶۶۹
شعائرُ اللہ کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی	۶۷۰
منسوب جانور کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی تعظیم کا مقام	۶۷۱
عبادت اور تعظیم میں فرق	۶۷۳

عنوانات	صفحہ
عبادت کا معنی و مفہوم	۶۷۴
عبادت: عجز و نیاز کی اِنتہائی کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے	۶۷۵
ہر تعظیم عبادت نہیں	۶۷۶
زمانہ جاہلیت میں قبر پرستی کی حقیقت	۶۷۹
شرعاً تعظیم کے جائز اور واجب طریقے	۶۸۳
فصل دوم: تعظیم بالمحبت اور اس کی اقسام	۶۸۵
محبت کا لغوی معنی و مفہوم	۶۸۷
محبت کا اصطلاحی مفہوم	۶۸۷
محبت کی اقسام	۶۸۸
۱۔ محبتِ واجبہ	۶۸۸
۲۔ محبتِ محمودہ	۷۰۰
۳۔ محبتِ محرّمہ	۷۰۲
۴۔ محبتِ مذمومہ	۷۰۳
فصل سوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں	۷۰۷
تعظیم و توقیرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور توحیدِ باری تعالیٰ	۷۰۹

عنوانات	صفحہ
ذاتِ رسول ﷺ کی تعظیم کے عملی مظاہر	۷۱۰
۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بے انتہاء تعظیم کے مختلف مظاہر	۷۱۰
۲۔ دورانِ نماز انتہا درجہ کی محبت و تعظیمِ رسول ﷺ	۷۱۲
۳۔ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ میں کعبہ سے توجہ ہٹانا، ناقضِ صلوٰۃ نہیں	۷۱۶
۴۔ حضور ﷺ کو اپنی جان سے عزیز جاننا تکمیلِ ایمان کی سند	۷۲۰
۵۔ حضور ﷺ کے بغیر طوافِ کعبہ بھی گوارا نہیں	۷۲۱
۶۔ اطاعتِ علی رضی اللہ عنہ اور معجزۂ ردّ شمس	۷۲۲
۷۔ معیارِ نجات محض اعمال نہیں	۷۲۳
حضور ﷺ سے منسوب اشیاء کی تعظیم	۷۲۵
۱۔ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کی تعظیم	۷۲۵
۲۔ حضور ﷺ کے ذکرِ مبارک کی تعظیم	۷۲۸
۳۔ حضور ﷺ کی سنتِ طیبہ اور حدیثِ مبارکہ کی تعظیم	۷۲۹
۴۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کی تعظیم	۷۳۱
۵۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم	۷۳۲
۶۔ حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کی تعظیم	۷۳۳
۷۔ حضور ﷺ کے منبر مبارک کی تعظیم	۷۳۴
۸۔ حضور ﷺ کے آثارِ مبارک کی تعظیم	۷۳۵

عنوانات	صفحہ
۹۔ حضور ﷺ کے مقدس شہر اِقامت کی تعظیم	۷۳۶
۱۰۔ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی تعظیم	۷۳۸
تعظیمِ رسول ﷺ استغراق فی التوحید کے منافی نہیں	۷۳۸
فصل چہارُم: تعظیم بالقیام	۷۴۳
قیام کا لغوی معنی و مفہوم	۷۴۶
قیام کا شرعی معنی و مفہوم	۷۴۶
کیا ہر قیام عبادت ہے؟	۷۴۷
ازروئے سنت قیام کی جائز اقسام	۷۴۹
(۱) قیامِ اِستقبال	۷۴۹
(۲) قیامِ محبت	۷۵۰
(۳) قیامِ فرحت	۷۵۳
(۴) قیامِ تعظیم	۷۵۴
(۵) قیامِ اکرامِ انسانی	۷۵۴
(۶) قیامِ ذکر	۷۵۷
(۷) قیامِ صلوٰۃ و سلام	۷۵۷
حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے صحابہ کے تعظیماً قیام کا معمول	۷۶۰

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
نماز اللہ کے لئے اور اقامت مصطفیٰ ﷺ کے لئے	۷۶۱
محافلِ میلاد میں قیام، استقبال کے لئے نہیں تعظیماً ہے	۷۶۵
ممانعتِ قیام کے اسباب	۷۶۷
اباحتِ قیام کے اسباب	۷۶۸
فصل پنجم: تعظیم بالتقبیل	۷۶۹
تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم	۷۷۱
تقبیل کا شرعی معنی و مفہوم	۷۷۲
تقبیل ہے ہی مخلوق کے لئے	۷۷۶
اَقسامِ تقبیل	۷۷۷
تعظیم بالتقبیل ہرگز منافیٔ توحید نہیں	۷۸۵
فصل ششم: تعظیم بخلع النعال	۷۸۷
۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ سینا میں جوتے اُتارنے کا حکم	۷۸۹
۲۔ قبرستان کی تعظیم میں جوتے اتارنے کا حکم	۷۹۳
۳۔ کسی متبرک مقام کی تعظیم میں جوتے اتار کر چلنا جائز ہے	۷۹۴

عنوانات	صفحہ
فصل ہفتم: بعض شرعی تعظیمات	۷۹۵
۱۔ تعظیمِ قرآن	۷۹۸
۲۔ تعظیمِ حدیث	۸۰۱
۳۔ تعظیمِ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم	۸۰۴
۴۔ تعظیمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۸۰۸
۵۔ تعظیمِ اَولیاء اللہ	۸۰۹
۶۔ تعظیمِ اکابرین و مشائخ	۸۱۳
۷۔ تعظیمِ والدین	۸۱۷
۸۔ تعظیمِ شہورِ مقدسہ	۸۲۳
۹۔ تعظیمِ ایامِ مقدسہ	۸۲۵
۱۰۔ تعظیمِ اماکنِ مقدسہ	۸۳۰
فصل ہشتم: بعض ممنوع تعظیمات	۸۳۷
۱۔ سجدۂ تعظیمی کی ممانعت	۸۳۹
عبادت کی نیت کے بغیر تعظیم و تکریم شرک نہیں	۸۳۹
تعظیم و اکرامِ آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم	۸۴۰
ابلیس کے خود ساختہ تصورِ توحید کا انجام	۸۴۰

عنوانات	صفحہ
انسانی تاریخ کا پہلا جرم شرک نہیں ..... اہانتِ نبوت تھا	۸۴۶
برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدۂ تعظیمی	۸۴۷
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سجدۂ تعظیمی کی خواہش	۸۴۸
۲۔ مزارات کے طواف اور من گھڑت تعظیمات	۸۵۰
۳۔ غیر شرعی حلف کا احترام منع ہے	۸۵۳
۴۔ ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز میں خود ساختہ تعظیمات	۸۵۳
❁ مآخذ و مراجع	۸۵۷

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

دینِ اسلام کے مجملہ امتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ دین بیک وقت عقائد و اعمال (beliefs & practices) کا مجموعہ ہے۔ ان دونوں کے فعال اور متحرک رہنے میں ہی اسکی بقاء اور تسلسل کا انحصار ہے۔ عقائد کو اصول الدین، ایمانیات اور علم الکلام کہا جاتا ہے جبکہ اعمال کو ارکانِ اسلام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ علم الفقہ کا موضوع ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کا باہمی ربط وتعلق بالکل وہی ہے جو انسانی شخصیت میں روح اور جسم کا ہے۔ اول الذکر کا موضوع انسان کے باطنی احساسات جذبات اور نیت کے احوال ہیں جبکہ دوسرے کا موضوع تعبدی، تشریعی اور عائلی وسماجی اعمال ہیں اور ایمان ان دونوں دھاروں کے یکجا ہونے کا نام ہے۔

اعمال کے مقابلے میں عقائد کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ وہ بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے بنیاد کے بغیر عمارت کا تصور محال اور جڑ کے بغیر درخت کی زندگی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اسلامی کی تدوین سے قبل اصول الدین اور ایمانیات پر گراں قدر رسائل مرتب فرمائے جن میں سے اہم ترین رسالے کا عنوان الفقه الاکبر رکھا۔ بعد میں عقائد و ایمانیات پر جتنی کتب لکھی جاتی رہیں ان میں بنیادی اصول وضوابط امام صاحب ہی کے تھے۔ چنانچہ اسکی وضاحت میں آپ نے فرمایا۔

الفقه فی أصول الدین أفضل من الفقه فی فروع الأحکام۔(۱)

''اصول دین کی تفہیم جزئیاتِ احکام کی تفہیم سے افضل اور اہم ہے۔''

چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک دیگر علوم وفنون کی طرح علم الکلام میں بھی نمایاں شخصیات نے حسب موقع وضرورت خدمات سر انجام دیں اور ملت کو معاصر

---

(۱) الدکتور حسن محمود الشافعی، المدخل إلی دراسة علم الکلام: ۱۴

فتنوں کی زد سے بچائے رکھا حتی کہ اسی نظریاتی و اعتقادی محاذ پر لڑتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ بارہ سو سالہ عروج کے بعد مجموعی زوال کا شکار ہونے والی امتِ مسلمہ کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ اسے دائمی زوال سے ہمکنار کرنے کے لئے بنیادی عقائد میں تشکیک و ابہامیں مبتلا کر دیا گیا۔ عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص مسلکی تنازعات اور باہمی مذہبی منافرت نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا وہ کسی ذی شعور شخص سے مخفی نہیں۔ اسی منفی رویئے نے عالم اسلام کا دامن علم و تحقیق کے حقیقی جوہر سے محروم رکھا اور یہی رجحان ملت کی سیاسی تمکنت کا دشمن ثابت ہوا۔ شومئی قسمت کہ امت جن عقائد و اعمال کی موشگافیوں میں اُلجھ چکی ہے ان میں سے زیادہ تر کا تعلق اعتقادی اختلافات کے ساتھ ہے جن کے حل میں تحمل اور بردباری سے زیادہ جذباتی اور مجادلاتی عنصر رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اسی رجحان نے مختلف مسلکی گروہوں کو بھی جنم دیا ہے جو اب صبر و تحمل اور تحقیق و تفتیش کی ساری حدوں کو عبور کر کے باہمی قتل و غارتگری پر اتر آئے ہیں اور ایک دوسرے کے خون کو مباح قرار دے دیا گیا ہے۔

عقیدۂ توحید و رسالت اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہیں جن پر ایمان و اسلام کی پوری عمارت کا دارومدار ہے۔ یہ دونوں دراصل عین یک دگر ہیں۔ فساد اور بگاڑ اس وقت پیدا ہوا جب توحید اور رسالت میں مغائرت پیدا کر دی گئی۔ یہ مغایرت تنقیصِ رسالت ﷺ پر منتج ہوئی۔ شرک اور بدعت کے تصور کو اتنا اچھالا گیا کہ ہر دوسرا شخص بدعتی اور مشرک قرار پانے لگا۔ داعیانِ اسلام کی قوتیں جب ان منفی پہلوؤں پر مرتکز ہوئیں تو اسکے دو نقصانات ہوئے ایک یہ کہ اسلام کی تعلیمات کے فروغ کا دائرہ سکڑ گیا اور دوسرا یہ کہ باہمی منافرت اور تضادات کے نتیجے میں مسلمان باہم دست و گریباں ہو گئے۔

اس ضمن میں دوسرا بنیادی نکتہ جو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ توحید محض الفاظ و معانی کا گورکھ دھندا یا قیل و قال کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو عقیدے کے ساتھ ساتھ ایک کیفیت اور حال ہے جو انسان کے اندر سے پھوٹتا ہے۔ یہ تو ایک لذت آشنائی ہے جو انسان کو دو عالم کے خوف و غم سے بے نیاز کر کے بندگی کے اطوار سکھاتی ہے۔ یہ تو ایک

نورِ باطن ہے جسے عبادت، ریاضت اور ذکر و فکر سے جِلا ملتی ہے پھر اس نورِ توحید کا حامل انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا چلتا پھرتا مظہر بن جاتا ہے وہ تقریروں، وعظوں اور مناظروں سے توحید کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی گفتار اور اس کا کردار توحید کی گواہی دیتا ہے۔ انہیں ملنے والا اور ان سے ہمکلام ہونے والا اپنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور قربت محسوس کرتا ہے اور بالآخر بندہ واصل بحق ہوجاتا ہے۔ حال میں ڈھلی ہوئی یہی توحید دراصل اولیاء اللہ کا مشرب ہے جس کے باعث وہ استغناء کے بلند مرتبے پر فائز ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی۔ ایسے مست الست بندگانِ الٰہی قیامت میں بھی اسی شان استغناء سے ہمکنار ہوں گے۔ بقول اقبالؔ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

دورِ زوال بوجوہ میں توحید جب حال کی اس خاص کیفیت سے محروم ہوکر قیل و قال اور مناظروں کا موضوع بن گئی تو ''موحدین'' کی طبعیت میں ترشی، کبر و نخوت اور سخت گیری کا غلبہ ہوگیا جس کے مظاہر دنیا بھر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہی رجحانات ہر ملک میں کم و بیش یکساں طور پر اسلام کا چہرہ، محبت و مودت، مروت و احسان، تحمل و بردباری اور برداشت کی بجائے جارحیت، کرختگی اور غیر لچکدار رویوں سے مسخ کر رہے ہیں۔ پھر پورے عالم اسلام میں شرک و بدعت کا غلغلہ اور ردِ عمل میں ہونے والے مناقشات بذاتِ خود مسلمانوں کے داخلی انتشار اور عدم وحدت کی علامت بن چکے ہیں۔ حالانکہ عالم کفر ادیان و مذاہب، رنگ و نسل اور تاریخ و جغرافیہ کی تقسیم مٹا کر اہل اسلام کے خلاف صف آراء ہو چکا ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر ضروری تھا کہ ان اعتقادی موضوعات پر خالص علمی پیرائے اور معتدل طرز فکر کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی تاکہ حقیقت حال سمجھنے میں عوام و خواص کو مدد ملتی۔ چنانچہ ان اعتقادی فتنوں کی بیخ کنی کے لئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی مدلل اور گرجدار آواز اُبھری جس نے تلخیوں کے موسم ناروا میں شرق

تا غرب محبت و مودت کے گلزار آباد کر دیئے۔ مضبوط دلائل کے ساتھ شرک اور بدعت کے ''طوفان'' کو نہ صرف روک دیا بلکہ تنقیصِ رسالت مآب ﷺ کے بدترین فتنے کو اپنی موت آپ مارنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کتاب فی الحقیقت اس صدی میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کا وہ نمایاں تجدیدی کارنامہ ہے جس کے مثبت اثرات آئندہ صدیوں تک مترتب ہوتے رہیں گے۔

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''کتاب التوحید'' حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کے خطبات و دروس کا مرتبہ مجموعہ ہے جو آپ نے دراسات القرآن کے عنوان سے علماء کونسل کے اراکین اور منہاج یونیورسٹی کے طلباء کو دیئے۔ اولاً یہ ''توحید اور حقیقتِ شرک'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع'' ہوئے۔ یہ کتاب جون 1999ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ بعد ازاں منہاج یونیورسٹی کے شعبہ ICIS کے طلباء و طالبات (کے سیشن 5-2004ء) کو دیے گئے انگلش لیکچرز اس موضوع میں توسیع کا سبب بنے۔ یوں جب ان خطبات و دراسات کو حضور شیخ الاسلام کی براہِ راست نگرانی میں از سر نو مرتب کیا گیا تو کتاب کی ضخامت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور اسے دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد اوّل میں تین بڑے عنوانات کو شامل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے مبادیات عقیدہ توحید کا حصہ ہے جس میں توحید اور شرک کے مفہوم کو اکابر ائمہ کی تصریحات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، اس حصے کا دوسرا جزو چند بنیادی نکات پر مشتمل ہے۔ یہ نکات دراصل پوری کتاب کا خلاصہ ہیں جنہیں ذہن نشین کئے بغیر کتاب سے کما حقہ استفادہ ممکن نہیں۔ اس حصہ کتاب کا دوسرا باب توحید کے ارکانِ سبعہ ہیں جو سورۃ اخلاص کی اعتقادی تفسیر ہے اور دنیائے علم و معرفت میں شاید پہلی مرتبہ اس شکل میں سامنے آ رہی ہے۔ یہ وہ کامیاب الہامی کاوش ہے جس نے توحید اور رسالت کے باہمی ربط و تعلق کو نہایت خوبصورتی سے اہل دانش و بینش کے سامنے رکھا ہے۔ کتاب کا دوسرا اور بڑا حصہ توحید کی متقابل اقسام پر مشتمل ہے، یہی حصہ دراصل کتاب کا دل ہے۔ تیسرے حصے میں ایسے موضوعات شامل کئے گئے ہیں جن سے روز مرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ اس حصہ

کتاب میں اہل اسلام کو اعتقادی مسائل کے حل میں انتہاء پسندی کی بجائے احتیاط، تدبر میانہ روی اور تحمل کی راہ دکھائی گئی ہے۔ کتاب التوحید کی جلد دوم میں استعانت، استغاثہ توسل، توسط اور زیارت جیسے اہم اور متنازعہ فیہ موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ حضور شیخ الاسلام کا حقیقی مدعا قارئین تک بآسانی پہنچ پائے، اسلوب بیان کی ندرت دلائل کی صحت اور موضوعات کی تقسیم میں ابلاغ اور تسہیل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دلیل اور تحمل سے حقائق کو سمجھایا گیا ہے۔ انشاء اللہ اسکے بعد عرب و عجم میں اعتقادی مخاصمت کی شدت میں کمی آئے گی اور توحید کا صحیح تصور سمجھنے میں مدد ملے گی۔ بالخصوص پاک و ہند میں سوادِ اعظم کے دو گروہوں کے باہمی اختلافات کی خلیج کو ختم کئے جانے کی طرف پیش رفت ہو سکے گی۔

اس اہم تاریخی دستاویز کو مرتب و مدون کرنے میں بنیادی کردار علامہ محمد تاج الدین کالامی کا ہے جنہوں نے ان خطبات کی ترتیب اوّل اور بعد ازاں ترتیب ثانی میں براہ راست حضور شیخ الاسلام کی ہدایات کے مطابق ان تھک محنت سے کام لیا۔ ان کے ساتھ علامہ محمد عمر حیات الحسینی، محترم ضیاء اللہ فیّر اور حافظ فرحان ثنائی کی خصوصی معاونت بھی مختلف مراحل میں شامل رہی ہے۔ اور آخر میں راقم نے بھی اس اہم علمی کتاب کی ترتیب و تدوین میں بساط بھر خدمت کی سعادت حاصل کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حقیقی معنوں میں اسلام کے عقائد و اعمال کی حقیقی تصویر بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

ڈاکٹر علی اکبر الازہری
ڈائریکٹر ریسرچ
فرید ملّت ؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
3، اپریل 2006ء؛ ۴ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

مبادیاتِ عقیدۂ توحید

- توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات
- عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

باب اَوّل



توحید

اور

تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے شمار شکر ہے جس نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ عقیدہ توحید اور ردِّ شرک کے باب میں شکوک و شبہات اور پیدا کردہ اُلجھنوں کا حل پیش کرنے کی خدمت بجا لا سکیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى ذَالِکَ حَمْدًا کَثِيْرًا، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

دینِ اسلام میں عقیدۂ توحید پہلا اور بنیادی رکن ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات اسی تصور کو انسان کے رگ و پے میں اتارنے اور اس کے قلب و باطن میں جاگزیں کرنے سے متحقق ہوتا ہے۔ تصورِ توحید کی اساس تمام معبودانِ باطلہ کی نفی اور ایک خدائے لم یزل کے اثبات پر ہے۔ عقیدۂ توحید پر ہی ملتِ اسلامیہ کے قیام، بقا اور ارتقاء کا انحصار ہے۔ یہی توحید امتِ مسلمہ کی قوت اور تمکنت کا سرچشمہ اور اسلامی معاشرے کی روح رواں ہے۔ یہ توحید ہی تھی جس نے ملتِ اسلامیہ کو ایک لڑی میں پرو کر ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا تھا۔ یہی توحید سلطان و میر کی قوت و شوکت اور مردِ فقیر کی ہیبت و سطوت تھی۔ اس دورِ زوال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ جو سوزِ دروں سے خالی ہو چکی ہے اس کے دل میں عقیدۂ توحید کا صحیح تصور قرآن و سنت کی روشنی میں ازسرِ نو اجاگر کیا جائے۔ تاکہ مردِ مومن پھر لَا اور اِلَّا کی تیغِ دو دم سے مسلح ہو کر ہر باطل استعماری قوت کا مقابلہ کر سکے۔ بقول اقبالؒ:

تا دو تیغِ لا و الّا داشتیم ما سِوَ اللّٰه را نشان نگذاشتیم

’’نفی و اثبات کی تلوار جب تک ہمارے ہاتھ میں تھی ہم نے ما سو اللہ یعنی اللہ کے سوا ہر غیر اور باطل کا نام و نشان تک مٹا دیا تھا۔‘‘

الغرض عقیدۂ توحید دینِ اسلام کی اساس اور بنیاد ہے، اِس کی صحت کے بغیر انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت اور شفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ توحید تمام عقائد کی جڑ اور اصل الاصول ہے اور اعمالِ صالحہ دین کی فرع ہیں۔ درخت کی بقا فروع سے نہیں اصل سے ہوتی ہے۔ شاخوں اور پتوں سے درخت قائم نہیں رہتا۔ جس طرح دل و دماغ انسان کی اصل ہے اور آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں فروع ہیں اِسی طرح دین اِسلام کی اصل عقائد ہیں اور اعمالِ صالحہ اس کی شاخیں ہیں۔ دین اِسلام کا پہلا اور بنیادی رکن توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفاتِ اُلوھیت اور کمالاتِ حقیقیہ سے متصف ہے اور اپنی اُن صفات و کمالات میں یکتا اور واحد و لاشریک ہے۔

توحید کا لغوی معنی

توحید 'وحدت' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ ائمہ لغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے:

التوحيد تفعيل من الوحدة، وهو جعل الشيء واحداً، والمقصود بتوحيد الله تعالى اعتقاد أنه تعالى واحد في ذاته وفي صفاته وفي أفعاله، فلا يشاركه فيها أحد ولا يشبهه فيها أحد.

''توحید 'الوحدۃ' سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو ایک قرار دینا ہے۔ اللہ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔''

www.MinhajBooks.com

توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ'' اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک

نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔‘‘

۱۔ امام ابو جعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے شرعی و اصطلاحی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نقول فی توحید اللہ معتقدین بتوفیق اللہ: اِن اللہ وَاحِدٌ لا شریک لہٗ. ولا شیئ مثلہٗ ولا شیئ یعجزہٗ، ولا الٰہ غیرہٗ، قدیم بلا اِبتداءٍ، دائم بلا انتھاءٍ. لا یفنی ولا یبید. ولا یکون إلا ما یرید. لا تبلغہٗ الأوھام ولا تدرکہٗ الأفھام. ولا یشبھہٗ الأنام، حَيّ لا یموت، قیوم لا ینام. خالق بلا حاجۃ. رازق بلا مئونۃ، ممیت بلا مخافۃٍ، باعث بلا مشقۃٍ. مازال بصفاتہٖ قدیمًا قبل خلقہ لم یزدد بکونھم شیئًا لم یکن قبلھم من صفتہٖ. وکما کان بصفاتہٖ ازلیاً کذالک لا یزال علیھا أبدیًا، لیس بعد خلقِ الخلق استفادَ اِسم الخالق، ولا بأحداثہٖ البریۃ استفاد اِسم البارئ. لہٗ معنٰی الربوبیۃ ولا مربوب، و معنی الخالق ولا مخلوق. وکما انہٗ محی الموتٰی بعد ما احیا استحق ھذا الإسم قبل احیائھم کذالک استحق اسم الخالق قبل انشائھم. ذالک بأنہٗ علی کل شيءٍ قدیر، وکل شيءٍ إلیہ فقیرہ، وکل أمر عَلیہ یسیر لا یحتاج إلٰی شيءٍ، لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر. خلق الخلق بعلمہٖ وقدر لھم اقدارًا وضرب لھم اجالاً. ولم یخف علیہ شیء قبل أن یخلقھم. وعلم ما ھم عاملونَ قبل أن یخلقھم. وأمرھم بطاعتہ ونھاھم عن معصیتہ. وکل شيءٍ یجری بتقدیرہٖ ومشیئتہٖ، و مشیئتہ تنفذ. لا مشیئۃ للعباد اِلَّا مَا شاءَ لھم، فما شاء لھم کان وما لم یشأ لم یکن. یھدی من یشآءُ

ویعصم ویعافی فضلًا، ویضل من یشآءُ ویخذلُ ویبتلی عدلا. وکلهم یتقلبون فی مشیئتهٖ بین فضلهٖ وعدلهٖ. وهو متعال عن الأضدادِ والانددِ، لاراادّ لقضاءِهٖ ولا معقب لحکمهٖ ولا غالب لامرهٖ. اٰمنا بذالک کلهٗ وایقنا ان کلا من عندهٖ۔(۱)

''ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اُس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی، اُس کے سواء کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ زندۂ جاوید ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔ اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں۔ اُس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اُس کی حقیقت فکرِ اِنسانی کی رسائی سے بلند ہے اور اِنسانی عقل وفہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف وخطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفاتِ کاملہ سے متصف تھا۔ اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفاتِ اُلوہیت سے متصف تھا اُسی طرح ابد تک بلاکم وکاست اِن سے متصف رہے گا۔ اُس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا اور اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی

(۱) ابو جعفر الطحاوی، العقیدۃ الطحاویۃ: ۹۔۱۱

حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔ جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا اِسی طرح مخلوق کی ایجاد سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے، ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے، اُس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اُس نے اُن کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں تھی، اُسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اُس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ ہر چیز اُس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت و ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت و ارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تمام لوگ اُس کی مشیت کے اندر اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اُس کا مدِّ مقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔ اُس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اُس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُس کی طرف سے ہے۔‘‘

۲۔ امام ابوالحسن الأشعریؒ (۳۲۴ھ) توحید کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المتفرد بالتوحيد، المتَمَجِّد بالتمجيد، الذي لا تَبْلُغُه صفاتُ العبيد، وليس له مثل ولا نَديد، وهو المبدي المعيد، الفعَّالُ لما يريد، جلَّ عن اتخاذ الصاحبة والأبناء، و تقدس عن ملامسة النساء، فليست له عَثَرَةٌ تُقال، ولا حَدٌّ يُضْرَب له فيه المثالُ، لم يَزَل بصفاته أولًا قديرًا، ولا يَزَال عالمًا خبيرًا، سبق الأشياء عِلْمُهُ، و نفذت فيها إرادتهُ، ولم تعزُب عنه خفيَّات الأمور، ولم تغيّره سوالفُ صروف الدهور، وَلَمْ يَلْحَقْه في خَلقِ شيءٍ مما خلق كَلال ولا تعبٌ، وَلا مَسَّهُ لُغوبٌ ولا نَصَبٌ، خَلَقَ الأشياءَ بقدرته، و دبَّرها بمشيئته، وقهرها بجبروته، وذلّلها بعزته، فذلَّ لعظمته المتكبّرون، واستكان لعز ربوبيته المتعظِّمون، وانقطع دون الرسوخ في علمه الممترون، و ذلَّت له الرقاب، و حارت في ملكوته فِطَنُ ذوي الألباب، وقامت بكلمته السمٰوات السبع، واستقرت الأرض المهاد، وثبتت الجبال الرواسي، وجرت الرياحُ اللواقحُ، وسار في جو السماء السحابُ، وقامت على حدودها البحارُ، وهو الله الواحد القَهَّار يخضعُ له المتعزِّزون، و يخشع له المترفّعون، ويدين طوعًا و كرهًا له العالمون۔[1]

''اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ذات ہے جو توحید کے اعتبار سے یکتا ہے، تمجید کے اعتبار سے قابلِ تعریف ہے، اس ذات کو بندوں کی صفات نہیں پا سکتیں، اس کا کوئی مثل اور نظیر نہیں، وہی ہر چیز کی ابتداء کرنے والا ہے اور اس کو اصل حالت پر

(۱) ابوالحسن الاشعری، الابانة عن أصول الديانة: ۷

لوٹانے والا ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر دینے والا ہے، وہ بیوی اور بیٹے رکھنے سے بلند و برتر ہے، وہ عورتوں کے میل ملاپ سے پاک ہے، اس کی کوئی ایسی لغزش نہیں جسے ختم کیا جا سکے (یعنی اس کے تمام افعال لغزشوں سے پاک ہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی ایسی حد ہے جس کی مثال دی جا سکے، وہ اپنی صفات کے ساتھ اوّل سے ہی قادر ہے، وہ ہمیشہ عالم اور خبیر رہا ہے، اس کا علم کل اشیاء سے پہلے ہے اور اس کا ارادہ اُن میں نافذ ہے، پوشیدہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، گردشِ زمانہ نے ان میں کچھ تغیر نہیں کیا، کسی چیز کو بھی تخلیق کرنے میں اسے مشقت اور تھکان نہیں ہوئی، نہ ہی اسے کوئی کمزوری اور تکلیف پہنچی، اس نے تمام اشیاء کو اپنی قدرت سے تخلیق کیا، اپنی مشیت سے ان کی تدبیر کی، اپنی طاقت سے ان پر غالب رہا۔ اپنی قوت سے ان کو تابع کیا، پس متکبرین اس کی عظمت کے سامنے جھک گئے، اس کی ربوبیت کی عزت کے سامنے بڑے بڑے عاجز ہوئے، اس کے علمِ راسخ کے آگے شک کرنے والے ختم ہوگئے، اس کے لئے گردنیں خم ہوگئیں، عقلمندوں کی عقل و دانش اس کی بادشاہی میں متحیر ہوگئیں، اس کے کلمہ کے سبب ساتوں آسمان قائم ہوئے، فرشِ زمین نے قرار پایا، بلند و بالا پہاڑ وجود میں آئے، آندھیاں چلیں، آسمانی فضا میں بادل چلنے لگے، سمندر اپنی حدود میں قائم ہوئے، وہی اللہ واحد و یکتا ہے، زبردست ہے جس کے سامنے طاقتور جھکتے اور بلند رتبہ رکھنے والے انکساری کرتے ہیں اور عالم طوعاً و کرہاً (پسند و ناپسند سے) اس کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔‘‘

۳۔ امام غزالی (۵۰۵ھ) عقیدۂ توحید کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

إنه في ذاته واحدٌ لا شريكَ لهُ، فَردٌ لا مَثِيلَ له، صَمَدٌ لا ضِدَّ له، منفرد لا نِدَّ له، وأنه واحدٌ قديمٌ لا أوَّلَ لهُ، أزليٌّ لا بِدايَةَ له، مُسْتَمِرُّ الوجُود لا آخرَ له، أبَديٌّ لا نِهايَةَ له، قَيُّومٌ لا انقِطَاعَ له،

دَائِمٌ لا انصِرامَ له، لم يزل موصوفًا بنعُوت الجلال، لا يُقْضَى عليه بالانقِضَاء، والانْفِصَال، بتَصَرُّم الآباد وانقِرَاض الآجال، بل هو الأوَّلُ والآخِرُ، والظاهِرُ والباطنُ، وهو بكل شيء عَلِيْمٌ.

التنزيه:

وأنه ليس بِجِسْمٍ مُصَوَّر، ولا جَوْهَر محدود مقدر، و أنه لا يُماثِل الأجسامَ، لا في التقدير ولا في قبول الانقِسام، و أنه ليس بجوهر ولا تَحلُّه الجواهرُ، ولا بِعَرَضٍ ولا تحله الأعراضُ، بل لا يُماثِلُ موجُوْدًا ولا يماثله موجودٌ، ليس كمثله شيءٌ ولا هو مِثْلُ شيءٍ، و أنه لا يحده المقدارُ، ولا تَحْوِيه الأقطارُ، ولا تُحِيْطُ به الجِهاتُ، ولا تَكتَنِفُه الأرضُوْن ولا السمواتُ، و أنه مُستَوى على العرش على الوجه الذي قَالَه، وبالمعنى الذي أرادَهُ، استواءً منزها عن المُمَاسَّة والاستِقْرَار، والتَّمَكُّن والْحُلُول والانتِقَال، لا يَحملُه العَرشُ، بل العرشُ و حَمَلَتُه مَحمُولُون بِلُطف قُدرتِه، و مَقهُورون في قبضته، وهو فوق العرش والسَّماءِ، وفوقَ كُلِّ شيءٍ إلى تَخُومِ الثَّرَى، فَوقيةٌ لا تزيده قُرْبًا إلى العرشِ والسماءِ، كما لا تزيده بُعدًا عن الأرض والثرى، بل هو رَفِيعُ الدرجات عن العرش والسماء، كما أنه رَفِيعُ الدرجات عن الأرض والثرى، وهو مع ذلک قَرِيبٌ من كل مَوْجُوْدٍ، وهو أقربُ إلى العبد من حَبْلِ الْوَرِيْدِ، وهو على كُلِّ شَيءٍ شَهِيْدٌ، إذا لا يماثل قُربُه قُربَ الأجسام، كما لا تُماثِل ذَاتُهُ ذاتَ الأَجْسام، و أنه لا يَحُلُّ في شيءٍ ولا يَحُلُّ فيه شيءٌ، تَعالَى عن أن يَحْوِيه مكانٌ، كما تَقَدَّس

عن أن يَحُدَّه زمانٌ، بل كان قَبْلَ أن خُلِقَ الزمانُ والمكانُ، وهو الآن على ما عَلَيه كَانَ، و أنه بائِنٌ عن خَلْقِه بصفاته، ليس في ذاته سِوَاه، ولا في سِوَاه ذاتُه، و أنه مُقَدَّسٌ عن التَّغييرِ والانتقال، لا تُحِلُّه الحوادثُ، ولا تَعْتَرِيه العَوَارِضُ، بل لا يزال في نَعُوْتِ جلاله مُنَزَّهًا عن الزوال، و في صفات كَمَالِهِ مُسْتَغْنِياً عن زيادة الاستكمال، و أنه في ذاته معلومُ الوجود بالعقول، مَرئِي الذات بالأبصار، نِعمَةً منه وَلُطفًا بالأبرار في دارِ القَرار، واتماما منه للنَّعِيمِ بالنظر إلى وَجْهِه الكريم۔[1]

”بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے جس کی مثل کوئی نہیں، بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں، منفرد ہے جس کی مانند کوئی نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اوّل کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کا کوئی آخر نہیں، وہ ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے جس میں کوئی انقطاع نہیں، وہ جلالت کی صفت سے متصف رہا ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کی ہلاکت کے باعث اس فنائیت اور انجام کے سبب اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ہر عیب اور نقص سے پاک ذات

بیشک وہ کوئی جسم نہیں جس کی تصویر کشی کی جائے (وہ جسم سے پاک ہے)، نہ ہی وہ محدود جوہر ہے، جس کا اندازہ کیا جاسکے۔ وہ اجسام سے مماثلت نہیں رکھتا نہ ہی مقدار میں اور نہ ہی قبولِ تقسیم میں، وہ جوہر نہیں ہے اور نہ ہی جواہر

(۱) غزالی، قواعد العقائد: ۵۰۔۵۴

اس میں حلول کر سکتے ہیں۔ اور وہ عرض نہیں ہے نہ ہی اعراض اس میں حلول کر سکتے ہیں (وہ جوہر و عرض سے پاک ہے)، بلکہ وہ کسی موجود کے مماثل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی موجود اس کے مماثل ہوسکتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کے مثل ہے، مقدار اس کی حد بندی نہیں کر سکتی، اطراف اسے سمیٹ نہیں سکتے، جہات اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، سب آسمان اور زمینیں اس کو گھیر نہیں سکتے (وہ مکان و جہت سے پاک ہے)، وہ اسی طرح اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا اس نے فرمایا، اس معنی کے ساتھ جس کا اس نے ارادہ کیا، اس کا یہ استواء فرمانا چھونے سے، قرار پکڑنے سے، تمکن و حلول اور انتقال سے منزہ ہے، عرش اس کو نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کی لطفِ قدرت کے سبب اٹھے ہوئے ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں بے بس ہیں، وہ عرش و سماء سے بلند ہے اور تحت الثریٰ تک ہر چیز پر فوق اور برتر ہے، یہ بلندی اس کے عرش اور آسمان تک کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں کرتی جس طرح کہ وہ زمین و پاتال تک سے اُسے دور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ عرش و سماء سے بلند مرتبہ ہے جس طرح کہ وہ زمین و ثریٰ سے بلند مرتبہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر موجود سے قریب ہے، وہ بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب جیسا نہیں ہے جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذاتوں جیسی نہیں ہے، بے شک وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے وہ اس سے بلند ہے کہ مکان اسے گھیر سکے، جس طرح وہ اس سے پاک ہے کہ زمانہ اس کا احاطہ کر سکے، بلکہ وہ زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے تھا، وہ اب بھی اپنی اسی ازلی صفت پر قائم ہے، وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات کے اعتبار سے جدا ہے، اس کی ذات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ اس کے غیر میں اس کی ذات ہے، وہ تغیر و انتقال سے پاک ہے، حوادث اس میں داخل اور عوارض اس کو لاحق نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ اپنی صفاتِ جلال میں پاک رہے گا اور

اپنی کمال کی صفات میں وہ قبولِ اضافہ سے مستغنی ہے، عقل و دانش کے سبب وہ اپنی ذات میں وجودِ معلوم ہے، آنکھوں سے دکھائی دینے والی ذات ہے، دارِ آخرت میں یہ اس کی طرف سے نعمت اور نیکوکاروں کے لئے انعام ہوگا اور اس کی طرف سے اس نعمت کا اتمام و کمال اس کے حسین و جمیل چہرے کی زیارت پر ہوگا۔‘‘

۴۔ **امام عمر بن محمد النسفی** (۵۳۷ھ) مفہومِ توحید کے بیان میں لکھتے ہیں:

والمحدِث للعالم هو الله تعالى الواحد القديم الحيُّ القادر العليم السميع البصير الشائي المريد. ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر ولا مصوَّر، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعِّض، ولا متجزٍّ، ولا متركب، ولا متناه، ولا يُوصف بالمَاهية، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان ولا يشبهه شيء، ولا يخرج عن علمه و قدرته شيء.

وله صفات أزلية قائمة بذاته وهي لا هو ولا غيره۔(۱)

’’عالم کو سب سے پہلے وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جو کہ واحد ہے، قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، وہ عرض نہیں ہے نہ جسم، نہ جوہر ہے نہ اسکی شکل و صورت، نہ محدود ہے نہ معدود (جس کو شمار کیا جا سکے)، نہ حصوں کی شکل میں ہے نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ اسے ماہیت کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے نہ ہی کیفیت کے ساتھ۔ وہ نہ کسی مکان میں متمکن ہے نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، کوئی چیز بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی، اور کوئی چیز بھی اس کی قدرت

(۱) نسفی، العقيدة النسفية: ۲

اور اس کے علم سے خارج نہیں (ہر چیز اس کے احاطے میں ہے لیکن اس کی ذات ہر چیز سے ماورا ہے)۔

''اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں اور یہ صفات نہ ہی وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) ہے اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق منقول ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کے زُہد و تقویٰ کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی کہ ''وہ جانتا تک نہیں ہے کہ گناہ کیا ہے'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسے آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا امکان بہت زیادہ ہے۔''

چنانچہ ''تُعرَفُ الأشياء بأضدادها'' (یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے) کے اُصول کے تحت عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ شرک اور اُس کی جملہ اقسام کو سمجھا جائے۔ توحید خدائے واحد کو لاشریک اور یکتا و یگانہ ماننے کا نام ہے اور کسی کو اس کا ساجھی، حصہ دار یا برابر کا شریک ٹھہرانے کا نام شرک ہے۔

شرک کا لُغوی معنی

لفظِ ''شرک'' شرکت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں اوروں کو شریک مانا جائے۔ صاحبِ لسان العرب لکھتے ہیں:

الشِّرْكَةُ والشَرِكةُ سواءٌ: مخالَطَةُ الشريكين. يقال: اشترَكنا بمعنى تشاركنا، وقد اشترك الرّجلانِ و تشاركا و شاركَ أحدهُما الآخر۔[1]

''شِرْكَةٌ اور شَرِكَةٌ کا معنی دو شریکوں کا ایک چیز میں ملنا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ہم شریک ہوئے یعنی آپس میں ہماری شراکت ہوئی اور دو شخص باہم شریک ہوئے یعنی دونوں میں شراکت ہوگئی اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک بن گیا۔''

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۴۴۸

شرک کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم

ائمہ علم الکلام اور ائمہ لغت نے شرک کا شرعی و اصطلاحی مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

الإشراک هو اثبات الشريک فی الألوهية، بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس أو بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الأصنام۔(۱)

’’مجوس کی طرح کسی کو واجب الوجود سمجھ کر الوہیت میں شریک کرنا یا بتوں کی پوجا کرنے والوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھنا، اشراک کہلاتا ہے۔‘‘

۲۔ صاحبِ لسان العرب علامہ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

وأشرک باللهِ: جَعَلَ لهُ شَرِيکاً فی مُلْکِهِ، تعالی اللهُ عَنْ ذالِک، والشرک أن يجعل لله شريکا فی ربوبيته، تعالی الله عن الشرکاءِ والانداد، لأن اللهَ وَحْدَهُ لا شَرِيْکَ له وَلَا نِدّ لهُ ولا نَدِيْد۔(۱)

’’جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس نے کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ملک اور سلطنت میں شریک بنا دیا جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، اور شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شریکوں اور ہمسروں سے پاک ہے،..... کیونکہ وہ ذات واحد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی نظیر اور نہ مثل۔‘‘

---

(۱) تفتازانی، شرح عقائد نسفی: ۶۱

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۴۴۹

ہمارے عہد میں جہاں اور تصوراتِ دین خلط ملط اور گڈ مڈ ہوئے وہاں بنیادی عقائد اِسلام بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ایمانیات کے باب میں توحید اور شرک کے ضمن میں بہت سے ابہام و التباس، مغالطے اور وساوس در آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے بہت سی غلط فہمیاں اور عجیب و غریب قسم کے شکوک و شبہات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کئے ہیں۔ اِس لئے امت میں شدید ٹکراؤ اور اُلجھاؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاں فکری وحدت اور تصوراتی واضحیت کا سخت فقدان پایا جاتا ہے جسے دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ اِس کتاب میں اِسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عمل اگر کمزور ہو تو اِس کا علاج آسان ہے لیکن جب عقیدہ میں طرح طرح کے ابہام اور التباس پیدا کر دیئے جائیں تو پھر فکری وحدت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِس کے لئے یہ خوشخبری دی ہے کہ اُمت مسلمہ کی اصل آزمائش مال و زر کی حرص و ہوس سے ہو گی لیکن یہ شرک میں مبتلا نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ باقی بگاڑ اور نقائص اپنی جگہ گھمبیر کیوں نہ ہوں مجموعی طور پر اُمت مسلمہ شرک سے محفوظ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَی قَتْلٰی اُحُدٍ. ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ کَالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْيَآءِ وَ الْأَمْوَاتِ. فَقَالَ: اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ. وَاِنَّ عَرْضَهٗ کَمَا بَيْنَ اَيْلَةَ اِلَی الْجُحْفَةِ. اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَيْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ. وَلٰکِنِّیْ أَخْشٰی عَلَيْکُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا، وَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِکُوْا، کَمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ.

قَالَ عُقْبَةُ: فَکَانَتْ اٰخِرَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَی الْمِنْبَرِ۔[1]

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ و صفاته، ۴: ۱۷۹۶، رقم: ۲۲۹۶

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر آپ نے منبر پر رونق افروز ہوکر اس طرح نصیحت فرمائی جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو نصیحت کر رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور اس حوض کا عرض اتنا ہے جتنا مقام اَیلہ سے لے کر جحفہ تک کا فاصلہ ہے، مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ تو نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے اور ایک دوسرے سے لڑکر ہلاک ہو گے۔

’’حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو آخری بار منبر پر دیکھا تھا۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رکھنے والی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر معروف صحابیٔ رسول ﷺ سے مروی یہ حدیث دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کے آخری خطبہ کی روایت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی خطبہ، کوئی باقاعدہ وعظ اور خطاب منبر پر نہیں فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ روایت اور بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین کی حجیت مزید مسلم ہو جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ظاہر نہیں فرمایا، اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ کوئی فرد شرک نہیں کرے گا بلکہ من حیث الکل شرک جیسے ظلمِ عظیم سے امت محفوظ رہے گی۔

توحید و شرک کے باب میں چند اہم نکات

اُمتِ مسلمہ کی اکثریت جو سوادِ اعظم ہے اور جس کے شرک و گمراہی سے اعتقادی طور پر محفوظ ہونے کی ضمانت خود حضور رسالت مآب ﷺ نے عطا فرمائی ہے۔ ستم یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں بعض گروہوں کی طرف سے امتِ مسلمہ کی اکثریتی جماعت پر شرک کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی فتنہ ہے جس نے اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اِس لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ توحید اور شرک کے موضوع پر آئندہ تفصیلی

مباحث کو شرحِ صدر کے ساتھ سمجھنے کے لئے چند ضروری نکات کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۔ توحید اور شرک دونوں ایک دوسرے سے متضاد اور مخالف تصورات ہیں۔ توحید ہر اُس چیز کی نفی کرتی ہے جو شرک ہے لہٰذا توحید اور شرک دو اصطلاحات ہیں، دو واضح عقیدے اور دو الگ الگ تصور ہیں جو آپس میں متقابل اور متخالف ہیں۔ اگر کوئی موضوع، کوئی عقیدہ یا عمل توحید ہے تو شرک اس کی عین نفی ہو گی مثلاً توحید سے مراد دن ہو تو رات شرک کہلائی گی، اگر توحید کی علامت ٹھنڈک ہو تو حرارت عین شرک ہو گی، توحید کی علامت طہارت ہو تو شرک عین نجاست ہو گی، توحید کی علامت نور ہو تو شرک عین تاریکی و ظلمت ہو گی۔ اِسی طرح اگر توحید کی علامت جنت ہے تو شرک عین جہنم ہے گویا توحید کا تضاد شرک ہے اور شرک کا تضاد توحید۔

۲۔ غلط فہمی کی بناء پر بعض اوقات کسی ناجائز فعل کو بھی شرک تصور کر لیا جاتا ہے، اِسی جہالت نے بہت سی اُلجھنوں کو پیدا کیا ہے۔ توحید اور شرک آپس میں دو متضاد و متقابل تصورات ہیں جن کا آپس میں اتحاد اور اشتراک اسی طرح ناممکن ہے جس طرح ایمان اور کفر کا اتحاد ناممکن ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ شرک کی اصطلاح کو کبھی بھی عمومی رنگ نہ دیا جائے، نہ ہی اِس کا اطلاق بے دریغ کر کے فتویٰ بازی کا بازار گرم کیا جائے۔

۳۔ ازروئے شرع کسی بھی چیز کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے ہوئے اچھی ہے یا بری، جائز ہے یا ناجائز ایسے الفاظ وسیع مفہوم میں اِستعمال ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھی جاتی ہے کہ ہر ناجائز عمل اسی طرح شرک نہیں ہوتا جس طرح ہر جائز عمل کو عینِ توحید نہیں کہتے۔ شرک کا مرتکب دائرہ اِسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جبکہ کسی ناجائز اور حرام عمل کا مرتکب فاسق و فاجر تو بن جاتا ہے لیکن دائرہ اِسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ جھٹ سے شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی واضح اکثریت پر مشتمل طبقے کا نام بھی مشرک رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ردِّ عمل میں اِسی طرح کے سخت فتاویٰ کا صادر ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ

شرک و بدعت کے فتوے ہر کسی کو اِتنی تیزی سے کفر کی وادی میں دھکیلے چلے جا رہے ہیں کہ سوسائٹی میں کسی بھی شخص کے اِسلام اور ایمان پر باقی ہونے میں شک ہونے لگتا ہے لہٰذا یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ شرک توحید کی عین ضد ہے یہ بلاواسطہ عقیدۂ توحید کو رد کرنے کا نام ہے اور شرک کا مرتکب محض گنہ گار اور گمراہ نہیں بلکہ بے دین اور ایمان کے دائرے سے یکسر خارج ہوتا ہے۔

۴۔ جب ایمانیات کے باب میں کسی خاص عمل یا عقیدۂ پر شرک کا فتویٰ ناگزیر ہو جائے تو فتویٰ صادر کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اُس عقیدہ یا عمل سے توحید کی کون سی قسم پر زد پڑی ہے اور کس درجے کی نفی اور بطلان ہوا ہے اس پر مستزاد یہ بھی ثابت کرنا لازمی ہے کہ وہ عقیدہ یا عمل شرک کی کون سی قسم اور درجہ کے تحت آتا ہے گویا توحید اور شرک کی قسم، نوع اور فرع کا بھی تقابل میں متعین کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

۵۔ ہر چیز کا شرعاً ایک مثبت پہلو ہوتا ہے اور ایک منفی مثلاً فرض ایک مثبت عمل ہے جس کے برعکس اِسی درجے کا حامل ایک منفی عمل ہے جسے حرام کہتے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کے حکم میں مثبت طلب ہوتی ہے اور نہ کرنے کے حکم میں منفی طلب۔ لہٰذا شریعت ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ فلاں کام کریں اور فلاں کام نہ کریں۔ پس احکام شریعت کی ہر دو سمت کی برابر درجہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ مثبت اور منفی پہلو دونوں طرف ایک ہی سطح کے ہوں اور اہمیت کے اعتبار سے اِن میں ایک ہی طرح کی قوت کارفرما ہو۔ چنانچہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کے جو نتائج اور عواقب برآمد ہوں گے وہ یکساں طاقت کے ہوں گے۔ اب کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہر اُس چیز کو جو از روئے شرع ناپسندیدہ ہو اُس کو حرام کے پلڑے میں ڈال دے۔ ممکن ہے کہ وہ مکروہ تو ہو حرام نہ ہو۔ مکروہ میں ناپسندیدگی پائی جاتی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسے شریعت میں ہر جائز عمل فرض نہیں اِسی طرح ہر ناپسندیدہ عمل کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ مثبت طلب کا بلند ترین درجہ فرض کہلاتا ہے اور

منفی طلب کا بلند ترین درجہ حرام۔ جبکہ شرک اِس حرام سے بھی اونچا درجہ ہے اِس لئے کہ وہ ''امرِ فقہ'' نہیں ''امرِ عقیدہ'' ہے۔

۶۔ کتبِ اُصول فقہ میں احکامِ شریعت کی درجہ بندی کا نظم بیان کیا گیا ہے۔ راقم کی کتاب ''الحکم الشرعی'' میں اِس کی تفصیل موجود ہے۔ توحید اور شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہاں تمثیلاً خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ مثبت طلب میں احکام کا پہلا درجہ **فرض**، اس کے بعد **واجب** پھر **سنت مؤکدہ**، پھر **سنت غیر مؤکدہ** اور اُس کے بعد **مستحب** کا درجہ ہے۔ اس کے برعکس منفی طلب میں **حرام** کو فرض کے مقابل اور **مکروہ تحریمی** کو واجب کے مقابل رکھا گیا ہے۔ جب کہ **اساءت**، سنت مؤکدہ کے مقابل ہے۔ چوتھے درجے میں **مکروہ تنزیہی** آتا ہے جو سنت غیر مؤکدہ کے مقابل ہے اور پانچویں درجے میں **خلافِ اولیٰ** (Uncommendable) ہے یہ مستحب کے مقابل ہے پھر اس کے بعد مثبت طلب اور منفی طلب دونوں میں مشترکہ **مباح یا جائز** کا درجہ ہے۔ اِن فقہی احکام کو درج ذیل متقابل ترتیب میں رکھ کر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

احکام امر (طلبِ فعل)	احکام نہی (ترکِ فعل)
۱۔ فرض	۱۔ حرام
۲۔ واجب	۲۔ مکروہ تحریمی
۳۔ سنت مؤکدہ	۳۔ اساءت
۴۔ سنت غیر مؤکدہ	۴۔ مکروہ تنزیہی
۵۔ مستحب	۵۔ خلافِ اولیٰ
۶۔ مباح	۶۔ مباح

اس درجہ بندی کے مطابق امر کے پانچ اور اس کے مقابلے میں نہی کے

بھی پانچ درجے ہیں۔ جب کہ مباح دونوں طرف مشترک ہے۔ یہاں پانچ مدارجِ امر کے مقابلے میں نہی کے بھی پانچ ہی مدارج ہیں اور اس کے بعد مباح کو صوابدیدی (Discretionary) درجہ میں رکھا گیا ہے جس میں نہ ثواب ہے اور نہ عتاب و عذاب بلکہ ایسے کاموں کو ہر کسی کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۷۔ فتویٰ صادر کرنا بہت بڑی، نازک اور اہم ذمہ داری ہے۔ ہر عالم اور فاضل بھی مفتی کے منصب پر فائز نہیں ہوتا کیونکہ کفر و شرک کا فتویٰ کسی کے ایمان کا فیصلہ ہے۔ اِس باب میں بڑی حزم و احتیاط اور لیاقت و دیانت درکار ہے کیونکہ ازروئے شرع اگر ایک چیز ناجائز اور حرام بھی ہو تو اِس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ شرک بھی ہو۔ گویا محض ممنوع اور حرام ہونے کی وجہ سے کسی فعل کو شرک نہیں کہا جا سکتا۔ حرام قرار دیتے ہوئے بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اِس میں خلافِ شرع کس درجے کا منع ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ منع کے بھی کئی درجے ہیں، کجا یہ کہ اُسے شرک کہا جائے حالانکہ شرک تو کفر کی آخری حد ہے۔

اِس علمی اور اعتقادی غلطی کی مثال روز مرہ زندگی سے اِس طرح دی جا سکتی ہے کہ کسی کو ہلکا سا زکام ہو اور کوئی نیم حکیم اُسے ٹی بی کا نام دے دے۔ کسی کو محض Infection ہو اور کوئی ڈاکٹر اُسے کینسر (Cancer) قرار دے دے۔ بجا ہے کہ یہ دونوں امراض نقصان دہ ہیں مگر اِس نقصان سے بڑھ کر یہ عمل کہیں زیادہ نقصان دِہ یہ بات ہے کہ غلط تشخیص کے ذریعے اُس مرض کو بڑھا چڑھا کر کچھ کا کچھ بنا دیا جائے۔ لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ علم الاحکام کو ذہن نشین رکھا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی عقیدہ و عمل کو شرک قرار دینے سے پہلے یہ تعین کیا جائے کہ اس کے ذریعہ جس عقیدہ و عمل کی نفی ہو رہی ہے کیا وہ عینِ توحید ہے بھی یا نہیں؟ کسی عمل کے شرک ہونے کیلئے لازم ہے کہ وہ توحید کی نفی کرے۔ اگر عین توحید کی نفی ثابت نہ ہو تو پھر وہ عمل ممنوع ہوتے ہوئے بھی شرک نہیں بن سکتا، اس پر شرک کا نہیں کوئی اور حکم صادر ہوگا۔

۸۔ اسلام میں عقیدہ کی بلند ترین مثبت سطح ''ایمان'' کی ہے جس کے مقابلے میں اِسی درجے کی منفی سطح ''کفر'' کی ہے۔ گویا ''مؤمن'' کے مقابلہ میں ''کافر'' ہوگا''فاسق و فاجر'' کو ''درجہ مؤمن'' کے مقابل میں نہیں لایا جائے گا۔ کیونکہ فاسق، فسق کے باوجود دائرہ ایمان ہی میں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر بحیثیت ایک مسلمان عقیدہ کی بلند ترین سطح ''توحید'' پر فائز ہے تو اس کے مقابلے میں کفر کے سب سے اونچے درجہ کا نام ''شرک'' ہے۔ چنانچہ اس ضابطہ کی رو سے صرف موحد مشرک کے مقابلہ میں ہوگا نہ کہ فاسق اورگنہ گار کے مقابلہ میں، کیونکہ فاسق اور گنہگار، گناہ کے باوجودموحّد رہتا ہے اور دائرہ ایمان یا عقیدۂ توحید سے خارج تصورنہیں ہوتا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ شرک کوفرض، واجب اورسنت کے مقابلے میں بھی نہیں رکھا جاسکتا، نہ کسی حرام کوشرک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی فرض اور سنت کی نفی کوشرک گردانا جاسکتا ہے۔فرض کے منافی کوئی اقدام حرام تو ہوسکتا ہے لیکن جب تک اس سے عقیدہ توحید پر زد نہ پڑے اسے شرک کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ اِسی طرح کسی کو یہ حق بھی نہیں کہ کسی اساءت، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یا مباح امر کو اٹھا کرشرک کے درجے تک لے جائے۔

یاد رہے کہ شرک صرف اس وقت وجود میں آتا ہے جب توحید کی واضح نفی کی جائے کیونکہ یہ بات حتمی طور پر طے شدہ ہے کہ توحید اورشرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی واضح نفی کے بغیر دوسرا اَمر ثابت نہیں ہوسکتا۔ ورنہ اس سے دین و شریعت کا سارا نظام اُلٹ پلٹ ہوکر رہ جائے گا۔ کسی شخص کا ایک فتویٰ دوسرے کے ایمان کو بلا جواز کفر بنا دے گا جو سراسر ظلم اور احکامِ الٰہی کے خلاف نہ صرف بغاوت ہے بلکہ دین کے ساتھ حد درجہ زیادتی اور اسے بازیچۂ اطفال بنا دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شرک کو ناقابلِ ردقطعی دلائل سے ثابت کیا جائے۔

۹۔ ایمان اورتوحید کی نفی ثابت کرنے کے لئے یہ تعین کرنا لازمی ہے کہ توحید کے جس درجہ کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کا شمار حقوق اللہ میں ہونا چاہیے اور یہ حق جس کی

خلاف ورزی ہوئی کوئی عام یا مشترک حق نہ ہو بلکہ خالصتاً بلا شرکتِ غیرے اللہ کا حق ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ حق شکنی اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے حوالے سے ثابت کی جائے اور اس میں اختصاص پایا جائے نہ کہ اشتراک۔ یعنی شرک کا حکم لگانے میں اس امر کو طے کرنا ضروری ہے کہ وہ حق جس کا کسی غیر کے لئے اثبات ہو رہا ہے خصوصی طور پر بلا اشتراک اللہ کا ہی حق تھا اور وہ صفت بلا شرکت غیرے اللہ کی ہی صفت تھی۔ اگر کسی ایسی صفت، فعل اور اسم کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے ثابت کر دیا جائے تو اس پر شرک کا حکم لگایا جا سکے گا ورنہ نہیں۔ کسی عمومی صفت کا خالق اور مخلوق میں اشتراک شرک نہیں ہوتا اس میں اس بات سے فرق واقع ہو جاتا ہے کہ اس کا اطلاق دونوں جگہ مختلف معانی کے تناظر میں ہوا ہے اور اس کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ ظاہری طور پر دونوں یعنی خالق و مخلوق کی صفات کے بیان میں اِستعمال کیا جانے والا لفظ ایک ہی ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی معنویت اور ہوتی ہے اور مخلوق کے لئے اور۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شرک محض الفاظ کے اشتراک کے ذریعے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ جب تک معنوی طور پر کسی عمل یا صفت کا مفہوم، دائرہ کار، حقیقت اور اطلاق مختلف رہے اس وقت تک وہ اشتراک خواہ اسمی ہو، فعلی ہو یا صفتی، منافیٔ توحید نہیں ہوتا، اِس لئے وہ باعث شرک بھی نہیں بنتا مثلاً سمیع، بصیر، کریم، علیم، رؤوف، رحیم، ولی اور مولیٰ جیسے اسماء و صفات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے، حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے اور بعض ملائکہ کے لئے بلکہ عام انسانوں کے لئے بھی مشترک استعمال ہوئے ہیں۔

جو شخص کسی کے عمل کو توحید کے منافی خیال کرتے ہوئے اِس پر شرک کا الزام عائد کر رہا ہے جب تک وہ قرآن و سنت کے دلائل اور شواہد سے اس امر کو حتمی طور پر

توحید کے منافی ثابت نہیں کر دیتا اُس وقت تک کسی عمل اور خیال کو مشرکانہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کسی عمل کو بغیر ثبوت کے محض توحید کی نفی اور شرک نہیں گردانا جا سکتا۔

۱۰۔ اس مقام پر وجہ شرک کو سمجھنا اور مدارِ شرک کو متعیّن کرنا از بس ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

والشرک أن یثبت بغیر اللہ سبحانه و تعالی شیئًا من صفاتهٖ المختصة بهٖ۔(۱)

’’شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے۔‘‘

ائمہ کلام کے نزدیک خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ ’’مایوجد فیه و لا یوجد فی غیرهٖ‘‘ (یعنی جو صفت جس کا خاصہ ہو اسی میں پائی جائے اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے) لہٰذا صفاتِ خاصہ کا علی الاطلاق غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ شرک کا مدار محض اشتراک نہیں بلکہ مدارِ شرک چار باتوں پر ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود سمجھا جائے۔

۲۔ اس کے مستحقِ عبادت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔

۳۔ اللہ رب العزت کی صفاتِ خاصّہ مثلاً علم بالذات، علم بالقدرت، ایجاد و قدرتِ ذاتیہ اور اختیار ذاتی میں سے کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کی جائے۔

۴۔ صفاتِ خداوندی جیسے اس کی شان کے لائق ہیں بعینہٖ اسی طرح کا اعتقاد غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔ خواہ وہ لمحہ بھر کے لئے ہی کیوں نہ ہو شرک کہلائے گا۔

۱۱۔ صفاتِ مشترکہ جو خالق و مخلوق کے مابین مشترک ہیں مدار شرک کی اساس کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے ان کے اطلاق کے وجوہ خالق کے لئے اور معنی

---

(۱) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: ۲۷

میں ہیں اور مخلوق کے لئے اور معنی میں۔ صفاتِ خداوندی قائم بالذات ہیں، ذاتی ہیں، غیر محدود ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں اور اُس کی شانِ الوھیت کے لائق ہیں اور مخلوق کے لئے وہی صفات محدود ہیں، متناہی ہیں، ممکن ہیں، حادث ہیں اور ان کی شانِ مخلوقیت کے لائق عطائی ہیں۔ شرک کا مدار نہ تو کمیت پر ہے اور نہ توقیت پر، بلکہ کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے یعنی صفاتِ خداوندی جس کیفیت و ماہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں انہیں اسی کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت کے ساتھ غیر کے لئے بھی ثابت کیا جاسکے جب بھی اور جس وقت بھی ثابت کیا جائے گا شرک ہوگا خواہ وہ ثبوت لمحہ بھر کیلئے ہی ہو ورنہ نہیں کیونکہ صفاتِ الوہیت حقیقت و اصلیت اور کیفیت میں من کل الوجوہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے وجوہِ اثبات الگ الگ ہیں ایک جیسے نہیں۔ صفاتِ مشترک میں صرف ظاہری اشتراک ہوتا ہے مثلاً ''ولایت'' صفاتِ مشترکہ میں سے ہے۔ اِس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے، رسول ﷺ کے لئے بھی ہے، جبرائیل امین علیہ السلام کے لئے بھی ہے اور صالحین کے لئے بھی۔ یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

ولایتِ الٰہی، ولایتِ رسول، ولایتِ جبرئیل اور ولایتِ صالحین کا معنی، شان، کیفیت، ماہیت، اصلیت وحقیقت اور اطلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے۔ ولایتِ الٰہی جس معنی اور شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، اسی معنی اور شان کے ساتھ غیر اللہ کے لئے لمحہ بھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔ یہی حال علم، رحمت، حیات، سمع و بصر اور کلام جیسی دیگر صفاتِ مشترکہ کا ہے۔ وہ خالق کیلئے بھی ثابت ہیں اور مخلوق کیلئے بھی، مگر جس شان، حقیقت اور معنویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اگر اسی شان اور حقیقت و معنویت کے ساتھ مخلوق کے لئے ثابت نہیں اگر ایسا مان لیا جائے تو شرک واقع ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اگر یہ شانیں، مختلف حقیقت اور مختلف معنی میں دونوں کیلئے

تسلیم کی جائیں تو ہرگز شرک نہ ہو گا بلکہ اسے **عین توحید** کہا جائے گا۔ جس کی رو سے اللہ بھی ولی ہے، بندہ بھی ولی ہے۔ اللہ بھی علیم ہے، بندہ بھی علیم۔ اللہ بھی صاحبِ حیات ہے، بندہ بھی صاحب حیات۔ اللہ بھی کریم و رحیم ہے، بندہ بھی کریم و رحیم۔ اللہ بھی سمیع و بصیر ہے، بندہ بھی سمیع و بصیر۔ اللہ بھی صاحبِ کلام ہے اور بندہ بھی صاحبِ کلام مگر ان کا معنوی اطلاق مختلف ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مدارِ شرک کمیت پر نہیں بلکہ کیفیت وحقیقت پر ہے۔ اس لئے صفاتِ مشترکہ میں حقیقی اور مجازی یا ذاتی اور عطائی کی تقسیم زیادہ بلیغ اور معنی خیز ہے اس کے برعکس عادی و غیر عادی یا ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب وغیرہ کو مدارِ شرک بنانا محض الجھاؤ اور التباس پیدا کرنے کا موجب ہے۔

۱۲۔ ہمیں توحید اور شرک کے باب میں ذاتِ حق اور اِس کے اسماء، صفات اور افعال کی صحیح معرفت حاصل کرنی چاہیے کہ کہاں شانِ اختصاص ہے، کہاں انعامِ اشتراک ہے اور کہاں فیضِ انعکاس۔ کسی جگہ پر اس کی توحید، شانِ الوہیت کے ساتھ عدمِ شراکت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور کسی جگہ شانِ ربوبیت کے ساتھ اپنے مربوب میں نیابت و مظہریت کا جلوہ دکھاتی ہے۔ کسی جگہ اس کی عظمت تنہاء و یکتا ہوتی ہے اور کسی جگہ خود مائل بہ عطا۔ وہ "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" کے جلوے میں بھی ہوتا ہے اور "فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" کے نظارے میں بھی۔ وہ "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" کے رنگ میں بھی ہے اور "مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوةٍ" کے ڈھنگ میں بھی۔ وہ "لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ" کی شان میں بھی ہے اور "اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" کی آن بان میں بھی۔ وہ بعید از وہم و گمان بھی ہے اور قریب از رگِ جاں بھی۔ وہ ورائے مکان و لامکاں بھی ہے اور جلیسِ حلقۂ بندگان بھی، وہ مستغنی از حلف و یمین بھی ہے اور خود مُقسِم دیارِ اَمین بھی، وہ ذاکر بھی ہے مذکور بھی، طالب بھی ہے مطلوب بھی، محبّ بھی ہے محبوب بھی۔ وہ تنہا سزاوارِ صلوٰۃ بھی ہے اور خود کسی کا صلوٰۃ خواں بھی حتی کہ وہ خود سلام بھی ہے اور سلام بھیجنے والا بھی۔ الغرض وہ جس

سے جو معاملہ چاہے کر دے وہ مالک اور قادر مطلق ہے، توحید اس کا حقِ خالص ہے اور شرک اس کی نفی کامل، سو اس باب میں کسی بھی حتمی فیصلہ سے قبل اس کے سارے فیصلوں کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اس لاعلمی میں یہ احتمال رہے گا کہ کہیں ہم دفاعِ توحید کے زعم میں انکارِ ربوبیت نہ کر بیٹھیں اور ردِّ شرک کے جوش میں انکارِ محبوبیت نہ کر بیٹھیں۔

www.MinhajBooks.com

باب دوم

عقیدۂ توحید کے اَرکانِ سبعہ

(سورۂ اخلاص کی روشنی میں)

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

تیسرا رکن: اَحَدِیّت (اللہ کا ایک ہونا)

چوتھا رکن: صَمَدِیّت (اللہ کا بے نیاز ہونا)

پانچواں رکن: لَا وَالدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

چھٹا رکن: لَا وَلَدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

ساتواں رکن: لَا کُفُویت (کسی کا اس کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونا)

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

مسئلہ توحید قرآن حکیم کے بنیادی اور اساسی موضوعات میں سے ہے۔ اِس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اگرچہ قرآن حکیم کی متعدد آیاتِ بینات میں دلائل و براہینِ قاطعہ موجود ہیں لیکن سورۃ الاخلاص میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا جو جامع تصور عطا فرمایا ہے وہ کسی اور مقام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ توحید بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں توحید کے سات بنیادی ارکان بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان ارکانِ سبعہ کو ملا لیا جائے تو عقیدۂ توحید مکمل ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک رکن کی خلاف ورزی بھی عقیدۃً ہو جائے تو توحید باقی نہیں رہتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ يَلِدْ لا وَلَمْ يُوْلَدْ○ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○ (۱)

’’(اے محبوبِ مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے○ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے○ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے○ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے○‘‘

اس سورت میں بیان شدہ توحید کے ارکانِ سبعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ واسطۂ رسالت
۲۔ ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا
۳۔ احدیّت
۴۔ لا والدیّت
۵۔ لا وَلَدیّت
۶۔ صمدیّت
۷۔ لاکفویّت

---

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱-۴

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

عقیدۂ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت

سورۂ اخلاص کا آغاز لفظِ ''قُل'' سے کیا گیا جس کا معنی ہے: ''(اے میرے مکرّم!) آپ فرما دیجئے۔'' کیا فرما دیجئے؟

هُوَ اللهُ اَحَدٌ○

''وہ اللہ ہے جو یکتا ہے○''

یہ مختصر مضمون جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی اس کے ایک ہونے کو بیان کر رہا ہے، اس کی وحدتِ مطلقہ کا بیان ہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر برہانِ ناطق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پیارے! ہم چاہتے ہیں کہ توحید کا مضمون بیان کرنے کے لئے تیری زبان اِستعمال ہو۔ جو کچھ اس سے نکلے، میری ہستی پر دلالت کرے۔ میرے ایک ہونے کا مضمون اتنا بلند ہے کہ اس کی ادائیگی کا حق تیری زبان سے ہی ادا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اے محبوب! مجھے تیری اُمت کو ایمان سے بہرہ ور کرنا ہے مگر اِن کا میری نسبت عقیدۂ ایمان تب متحقق ہوگا جب یہ آپ سے سن کر آپ کی بات کو سچا مان کر مجھے ایک مانیں گے۔

۱۔ ''قُل'' عنوانِ رسالت ہے اور ''هُوَ اللهُ'' عنوانِ توحید

اللہ ربّ العزت نے سورۂ اخلاص کی ابتداء لفظ قُلْ سے فرمائی۔ لفظِ ''قُلْ'' عنوانِ رسالت ہے جبکہ عنوانِ توحید ''هُوَ اللهُ'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ کے ہونے کا براہِ راست علم (Direct knowledge) حاصل ہو گیا تو وہ علم ''وحدانیت'' ہے، عقیدۂ توحید نہیں۔ کیونکہ وہ علم بغیر واسطۂ رسالت کے ہے اور اس میں رسول ﷺ کا حوالہ ہی نہیں تھا لہٰذا وحدانیت کا تصور ایمان تب بنتا ہے جب رسول ﷺ

ایمان لانے میں واسطہ و وسیلہ بنیں۔

۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم

عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ایک اہم بات جو ذہن نشین کرنا ضروری ہے جسے بہت سے اہلِ علم نے اِس انداز میں بیان نہیں کیا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید، احادیثِ نبوی، ائمۂ کبار، محدثین و متکلمین، اسلاف کی تحقیقات اور مفسرین کی تفاسیر کے مطالعہ کے بعد جو بات راقم کے ذہن میں راسخ ہوئی وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک ہونا توحید نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی وحدت ہے۔ اس باب میں تین الفاظ اہم ہیں:

۱۔ وحدت ۲۔ وحدانیت ۳۔ توحید

اس اجمال کی ضروری تفصیل اِس طرح ہے:

وحدت

وحدت اکائی کو کہتے ہیں اس کا مطلب ہے اللہ کا ایک ہونا اور اللہ تعالیٰ کی وحدت، وحدتِ مطلقہ (Absolute oneness) کہلاتی ہے۔

وحدانیت

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا تصور جب نظریہ، فلسفہ اور فکر (Theory, Philosophy & Thought) میں ڈھل جاتا ہے تو اسے ''وحدانیت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

توحید

توحید، نظریہ اور تصور سے بڑھ کر ایک عقیدہ ہے مگر اس کے باوجود یہ اس وقت تک ایمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا حصول واسطۂ رسالت سے نہ ہو۔ واسطۂ

رسالت سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان بنتا ہے اور ہم اسی کو عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔

۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط

عربی گرائمر کی رو سے لفظِ توحید باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ ''ایک کرنا'' کے ہیں۔ اس کا مادۂ اشتقاق وَحُدَةً ہے اور اِسی سے واحد مشتق ہے جس کے معنی ایک کے ہیں۔ ماہرینِ علم الریاضی وعلم الاعداد و ہندسہ کے نزدیک نصف الاثنین واحد یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد کی اقسام

واحد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ واحدِ عددی ۲۔ واحد جنسی ۳۔ واحد نوعی

واحد عددی

الواحد نصف الاثنین یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد جنسی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد جنسی اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس کے اعتبار سے ایک ہو مثلاً حیوان ایک جنس ہے اور جسم نامی ایک جنس ہے۔ شیر، گائے، بکری وغیرہ حیوان ہیں اور یہ تمام اپنی خاص جنس کے لحاظ سے واحد ہیں کیونکہ اِن تمام جانوروں میں حیوانیت مشترک جنس ہے لہٰذا یہ تمام جانور ایک جنس کے لحاظ سے واحد جنسی ہیں۔

واحد نوعی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد نوعی وہ ہے جو اپنی نوع کے لحاظ سے

ایک ہو مثلاً حیوان کی کئی انواع ہیں۔ کوئی حیوان صاھل یعنی ہنہنانے والا جانور ہے، کوئی حیوان مفترس یعنی چیرنے پھاڑنے والا جانور ہے اور کوئی حیوانِ ناطق جیسے اِنسان۔ اِس لئے اِنسان حیوان ناطق ہونے کی حیثیت سے اپنی نوع کا ایک فرد کہلاتا ہے۔ بیل کو جب واحدِ نوعی کہیں گے تو اُس میں شیر اور بکری وغیرہ شامل نہیں ہوں گے۔ اِس لئے کہ بیل اگرچہ حیوانیت میں دوسرے حیوانات کے ساتھ مشترک ہے مگر وہ اپنی نوع کے اعتبار سے الگ حیثیت رکھتا ہے اِس لئے وہ اپنی نوع کا فرد کہلائے گا۔

توحید

مذکورہ بالا واحد کی تمام تعریفات کے مطابق اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحدِ عددی مانے تو مشرک ہو گا کیونکہ اُس نے واحد عددی کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دو کا آدھا تسلیم کیا اور اللہ تعالیٰ میں دو کے لحاظ سے وحدت کا مفہوم آیا۔ اگر کوئی اِنسان اللہ تعالیٰ کو واحد جنسی مانے تو تب بھی مشرک کہلائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں اشتراکِ جنس ضروری ہے اور اللہ رب العزت اشتراکِ جنس سے پاک ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحد نوعی مانے تو بھی مشرک ہو گا کیونکہ نوع کے لئے افراد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ امر متحقق ہوا کہ مذکورہ بالا تمام تعریفات کے مطابق اللہ تعالیٰ کو نہ تو واحد عددی، نہ واحدِ جنسی اور نہ واحد نوعی مان سکتے ہیں کیونکہ اِس سے شرک لازم آتا ہے تو پھر لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو وہ واحد مانتے ہیں جسے زُبانِ مصطفیٰ ﷺ نے بیان کیا ہے اور اس کا اظہار ''قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ'' میں ہے۔

ذہن نشین کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دوسرے کے اعتبار سے اُس میں مفہوم وحدت آیا ہے۔ پوری اُمت کا متفق علیہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نہ واحد عددی ہے نہ واحد جنسی ہے اور نہ واحد نوعی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے اور اُس کی ذات ازل سے ہی وحدتِ ذاتی سے متصف ہے اور وہ ہر قسم کے اشتراک، اشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی،

حلول، اتحاد، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے اور اِن تمام عقائدِ حقہ کا اعلان زبانِ رسالت مآب ﷺ سے لفظ ''قُل'' سے کروایا گیا ہے۔ اس واحدِ حقیقی کو ''اَحَد'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ وحدت اور توحید میں فرق

خدا کا ایک ہونا تصورِ وحدت ہے۔ اگر زبانِ رسالت مآب ﷺ کے واسطے کے بغیر اپنی عقل، فہم اور سمجھ سے خدا کو ایک جانا جائے تو یہ تصورِ وحدت ہے اور زبانِ رسالت مآب ﷺ سے سن کر اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے تو یہ عقیدہ توحید ہے، اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○

''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے○''

اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے پیغام دے رہے ہیں کہ میرے پیارے نبی! یوں تو جاننے والے اپنے فہم سے مجھے ایک جانتے رہیں گے لیکن آپ اپنی زبان سے فرما دیں کہ میں ایک ہوں تو ان کا یہ جاننا ان کو ایمان کی نعمت عطا کر دے گا۔ سننے والے آپ کی زبان سے سن کر اور آپ کی بات کو مان کر مجھے ایک مانیں اور ایک جانیں گے تو ان کی وحدت، توحید میں بدل جائے گی۔

۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا

قرآن مجید میں یہ ذکر بہ صراحت آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اپنے علم وفکر اور عقل کی بنا پر وجودِ خدا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا لہٰذا اس زمانے کے لوگ مظاہرِ فطرت کو معبود بناتے ہوئے کبھی سورج کی پوجا کرتے اور کبھی ستاروں کی پرستش کرتے تھے یعنی مظاہر پرستی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس کے پیچھے لوگوں کے ذہنوں میں اپنے فائدہ کا کوئی خاص تصور (concept) کارفرما ہوتا

تھا۔ ایسے میں اللہ رب العزت نے ان کی طرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پیغمبرانہ بصیرت و حکمت سے لوگوں کے باطل تصورات کا رد کیا اور انہیں ذاتِ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱)

’’اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر (جو حقیقت میں چچا تھا محاورۂ عرب میں اسے باپ کہا گیا ہے) سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے○ پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کر دیا تو انہوں نے (ایک) ستارہ دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا○ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب

(۱) الانعام، ۶:۷۴۔۷۹

ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غائب ہو گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور (تمہاری طرح) گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا○ پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے؟ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو بول اٹھے: اے لوگو! میں ان (سب چیزوں) سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک گردانتے ہو○ بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں○''

۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں

تاریخ میں بڑے بڑے فلسفی ہو گزرے ہیں جن میں سقراط(Socrates)، بقراط(Hippocrate)، ارسطو(Aristotle)، افلاطون (Plato) وغیرہ معروف ہیں جب سے فلسفہ کی تاریخ شروع ہوئی اور حقیقت (reality)، وجود(existence) وغیرہ پر فلسفیانہ بحثیں شروع ہوئیں کہ کائنات کی حقیقت اور اس کی اصل کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ اسی طرح سورج کے بارے میں، آسمانوں کے بارے میں، ستاروں کے بارے میں، خود کائنات (Universe) کے بارے میں اور بنی نوع انسان (human beings) کے بارے میں، سوچ بچار شروع ہوئی تو فلسفے وجود میں آنے لگے مثلاً اس وقت عقلیت کا فلسفہ (Rationalism)، حسیّت کا فلسفہ (Empiricism) اور تنقیدیّت کا فلسفہ(Criticism) وجود میں آیا۔ اس طرح ارتقاء اور پیش رفت کے نتیجے میں مختلف فلسفے وجود میں آئے اور تصورات بنتے چلے گئے جو انسان کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک نتیجے پر پہنچنے میں مدد و معاون بنے۔

انہی عقلی دلائل، غور و خوض اور سوچ و بچار سے جو تفکر کا عمل (thinking

(reasoning process) ظہور پذیر (develop) ہوا، اس سے استدلالی عمل (deductive process)، اِستخراجی و اِستنباطی عمل (scientific process) سائنسی عمل (logical process) اور منطقی عمل کی صورت گری ہوئی اور ان تمام تجربات اور مشاہدات کے ذریعے سوچ بچار کر کے انسان اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی حقیقتِ مطلقہ (absolute reality) ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب اس تصور میں میں پختگی آ گئی تو وہ عقیدہ بن گیا مگر زیادہ تر نظریہ اور فلسفہ ہی رہا۔ عقیدہ بن جانے سے بھی وہ ایمان کے درجے کو نہیں پہنچا نہ وہ عقیدہ توحید میں متشکل ہوا کیونکہ وحدت (unity) علم میں منتقل ہو کر ایک فکر تو بن گئی مگر توحید نہ بن سکی جو مذکورہ بانیانِ فلسفہ کو ایمان کی دولت سے بہرہ ور کر سکتی۔ ان کا نتیجۂ علم ایک نظریہ اور نقطۂ نظر تو بن گیا لیکن انہیں مومن نہ بنا سکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے تجربات اور فکر و تدبر سے حقیقتِ مطلقہ کا جو علم حاصل کر لیا تھا وہ محض وحدت کا علم ہی رہا، توحیدِ الوھی کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ ان فلاسفہ نے بہ واسطہ رسالت و نبوت اس حقیقتِ مطلقہ یعنی خالقِ ارض و سماء اللہ ﷻ کو واحد اور یکتا نہ مانا۔ نتیجتاً وہ دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ اللہ ﷻ کو رسول ﷺ کے واسطے سے ایک ماننا ہی ایمان ہے۔ خواہ ذاتی علم ہو یا ماننے والا ایک سادہ سا عام انسان ہی کیوں نہ ہو اس کے برعکس اگر واسطۂ رسالت و نبوت نصیب نہ ہو اور انسان علم میں اپنے وقت کا امام ہی کیوں نہ ہو وہ علم کے ذریعے دولتِ ایمان حاصل نہیں کر سکتا اور نہ فلسفہ اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں فائدہ دے سکتا ہے۔

۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے

جیسا کہ اوپر کی سطور میں واضح ہو گیا ہے کہ اگر انسان نے اپنے ذاتی علم، مشاہدے، تجربے، تجزیئے، استدلال اور سائنسی علم (scientific knowledge)، علم

فلسفہ (philosophical knowledge) پر اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا تو یہ فکر، نظریہ اور فلسفہ رہا اور اگر پیغمبر کی خبر پر پیغمبر کی زبان پر بن دیکھے (blind faith) اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا تو اس کا یہ جاننا عقیدۂ توحید اور ایمان بن گیا۔ جب پیغمبر ﷺ نے اللہ کا نبی اور رسول ہونے کے ناطے یہ کہا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اب خواہ کسی انسان کا اس حوالے سے کوئی علم ہے یا نہیں، قطعِ نظر اس سے جب اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی بات مان لی اور یقین کر لیا تو اس کا عقیدۂ توحید وجود میں آ گیا۔ اس طرح اللہ کو ایک ماننا توحید اور ایمان بن گیا۔

گویا عقیدۂ توحید تب وجود میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی معرفت کا ادراک زبانِ رسالت ﷺ سے ہو جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے درمیان مکالمہ ہوا، جسے قرآن نے ان الفاظ کے ساتھ قیامت تک محفوظ کر لیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ م بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ (۱)

''کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے، اور ہم (سب) اسی کے فرماں بردار رہیں گے○''

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سن کر خاموش اور مطمئن ہو گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو یہ پوچھ رہے تھے کہ کس کی عبادت کرو گے۔ جواب بڑا سادہ سا تھا۔ اگر وہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ اللہ کی عبادت کریں گے تو سوال کا جواب مل جاتا لیکن آپ کے

(۱) البقرة، ۲:۱۳۳

صاحبزادوں نے ذاتی علم و عرفان اور معرفتِ حق کی بہ دولت یہ جواب نہیں دیا بلکہ کہا کہ ہم آپ کے اور آپ کے آباؤاجداد کے رب کی عبادت کریں گے۔ پھر کہا وہ ایک ہے اور ہم اسی کو ماننے والے ہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ سے پتہ چلا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بیٹوں کی زبان سے یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ آیا ان کے بیٹے باری تعالیٰ کی ذات تک رسائی اپنی عقل و دانست سے حاصل کرنا چاہتے ہیں یا واسطۂ نبوت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی فرد اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے اللہ کو اس لئے رب مانے کہ زبانِ نبوت نے اعلان کر دیا اور اس کی جبین نیاز رسالت کے سامنے جھکی رہے تو پھر اس کے بہکنے کا امکان اور شائبہ نہیں ہو گا۔

۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے

جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے کے علم میں واسطہ اور وسیلہ نہیں بنے تب تک وہ علم محض ایک تصور تھا عقیدۂ توحید نہیں تھا۔ فلسفہ تھا ایمان نہیں تھا، فلسفہ سے ترقی پاکر ایمان تب بنا جب اس علم کو وسیلہ رسالت نصیب ہوا۔ گویا عقیدۂ توحید یعنی ایمان باللہ وسیلۂ نبوت و رسالت کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر توحید بذات خود وسیلۂ رسالت کی متقاضی اور طالب ہے یعنی عقیدۂ توحید کا اثبات وسیلۂ رسالت سے ہوتا ہے۔ اس طرح عقیدۂ توحید ایک ایسی مسلمہ حقیقت بن گیا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو رد نہیں کر سکتی۔

۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انحصار کا نام ہے

یہاں ایمان کے ایک اور نکتہ کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اس وقت دنیا کے پاس اپنے ذرائع سے جو دستیاب علم تھا، اگر اس کی اساس پر انسان اس نتیجے تک پہنچتا کہ خدا ایک ہے اور بہ فرضِ محال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دین لے کر آئے تھے، فرما دیتے کہ خدا ایک نہیں، دو یا تین ہیں تو ایمان باللہ کے باب میں ایک خدا کی بجائے دو یا تین خداؤں کو ماننا لازم ہو جاتا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماہِ ذوالحجہ، شہرِ مکہ اور یومِ عرفہ کے بارے میں استفسار

فرمایا۔ انہوں نے اللہ و رسولہ أعلم کہہ کر بے خبری کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کے ذہنوں میں موجود علم کے برعکس کوئی اور بات بھی کہہ دیتے تو وہ اس کو بھی مان لیتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، قَالَ: أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمٍ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.(۱)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یوم النحر کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

(امام بخاری نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح البخاری، کتاب العلم، رقم: ۶۷، کتاب المغازی، رقم: ۴۴۱۴، کتاب الأضاحی، رقم: ۵۲۳۰، کتاب الفتن، رقم: ۶۶۶۷، اور کتاب التوحید، رقم: ۷۰۰۹ میں بھی بیان کیا ہے)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة و المحاربين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء و الأرض و الأموال، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

ہمیں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے جس سے ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حرمت والا شہر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو (پھر یہ بھی جان لو کہ) تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے جب تک کہ تم اپنے رب سے ملو گے (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) کیا میں نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ہاں۔ (تب) آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا (اور فرمایا) حاضر اسے غائب تک پہنچا دے۔ بعض اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی براہِ راست سننے والے سے زیادہ یاد رکھتا ہے۔ میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان اپنے علم پر انحصار کرنے کا نام نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خبر پر انحصار کرنے کا نام ہے یعنی جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ نے بتایا اس پر اعتماد کرنے کا نام ایمان ہے۔ اگر لوگوں کا مبلغِ علم اور اطلاع اس کی مطابقت میں ہو تو علم صحیح ہے اور اگر ان کا علم رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے علم سے

متضاد اور غیر مطابق (inconsistent) ہو جائے تو پھر تمام ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا علم غلط ہوگا۔

۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار

صحیح بخاری میں اس آیت کریمہ - ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾[1] ''اور (اے حبیب مکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے ۝'' - کے شانِ نزول کے تحت بیان ہوا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کوہِ صفا پر اہلِ مکہ میں سے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے، جو تم پر حملہ کر دے گا تو کیا تم مان لو گے؟ آپ ﷺ کے رشتہ داروں نے کہا: جی ہاں! ہم مان لیں گے۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صداقت کا اقرار اعلانِ توحید سے پہلے کروا لیا تاکہ انکار کرنے والوں پر حجت قائم رہے اور اقرار کرنے والوں کی نظر میں بھی توحید پر ایمان لانے سے قبل ذاتِ رسول ﷺ پر ایمان کی اہمیت و اوّلیت واضح ہو جائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیسے مان لو گے؟ تم نے تو وہ لشکر دیکھا ہی نہیں؟ انہوں نے کہا: آپ سچے ہیں، آپ نے کبھی غلط بات نہیں کی، آپ جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں، اس وجہ سے آپ پر ہمارا غیر متزلزل اعتماد ہے اس لیے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس کو مان لیں گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھے واقعی قابلِ اعتماد (trustworthy) سمجھتے ہو اور مجھ پر بن دیکھے بھروسا (blind faith) رکھتے ہو تو پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اور اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس کی وحدانیت اور ایک ہونے پر ایمان لے آؤ۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی یہ بات قبول کر لی وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے انکار کر دیا وہ کافر ہو گئے۔ اس موقع پر ابولہب نے غضبناک ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے

(۱) الشعراء، ۲۶:۲۱۴

تھے: اے محمد! (معاذ اللہ! استغفر اللہ!) تم برباد ہو جاؤ، تباہ ہو جاؤ، کیا اس بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس کی اس دریدہ دہنی اور گستاخی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری سورت نازل فرما دی اور انہی الفاظ کے ساتھ اس کی مذمت کر دی، فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ○(۱)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اُس نے ہمارے حبیب پر ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی ہے)○''

۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے

کوہِ صفاء پر پہلی دعوتِ توحید کا یہ سارا منظر نامہ (scenario) اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ ایمان کے باب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے قابلِ اعتماد ہونے پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔ اس لئے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی خبر دینے سے پہلے وسیلۂ رسالت اور واسطۂ نبوت پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور آپ ﷺ سے کلمۂ توحید کا اعلان کروایا گیا۔ چنانچہ جب ان کا حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور اعتماد قائم ہو گیا تو پھر آپ ﷺ نے اللہ کے ایک ہونے کی خبر (divine news) انہیں پہنچائی۔ اس سے یہ نکتہ بھی کھلا کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ سے اللہ کو ایک مان لیا وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی وہ کافر قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید متحقق ہوتا ہے۔ اس لئے ہر اہلِ ایمان کا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ ایمان باللہ خود وسیلۂ رسالت کا طالب اور متقاضی ہے۔

ایک ممکنہ اعتراض کا جواب

اگر کوئی طالب کے لفظ پر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب

(۱) اللهب، ۱۱۱:۱

ارادے کو کہتے ہیں اور یہ ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے کہ اس نے جس کو چاہا اپنا نبی اور رسول مقرر کر دیا۔ یہی طلب ہے۔ اسی لئے وہ واسطۂ نبوت اور واسطۂ رسالت کا طالب ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بندہ تو اپنی طلب میں محتاج ہے لیکن اللہ محتاج نہیں، قادر ہے۔ اپنی قدرت سے انبیاء کو مقرر فرماتا رہا ہے۔ لہٰذا ہمارا عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل (inevitable) حقیقت ہے۔

۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے

قرآن مجید سے یہ بات بڑی واضحیت کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید بھی واسطۂ نبوت اور وسیلۂ رسالت کے ساتھ متحقق ہوتا ہے پھر جب مسلمان دائرہ ایمان میں داخل ہوجاتے ہیں اس کے بعد جو دلائل (evidences) اللہ کی توحید کے اثبات پر قائم ہیں وہ اس عقیدے کو مزید استحکام عطا کرتے ہیں۔ توحید پر قائم کئے گئے دلائل سب کے سب ثانوی (secondry) حیثیت رکھتے ہیں یعنی وہ عقیدۂ ایمان (faith) کو مزید مضبوط (strengthen) کرنے، اس کی اعتقادی حیثیت (conviction) اور commitment کو مضبوطی و پختگی تو ضرور فراہم کرتے ہیں مگر جو حتمی، بنیادی اور قطعی شہادت ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ باقی تمام دلائل، واقعاتی دلائل (circumstantial evidences) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات قانون کے طلباء اچھی طرح جانتے ہیں کہ وکیل عدالت (Court) میں جو مختلف دلائل دیتے ہیں ان کو قرائن (Circumstantial evidences) کہتے ہیں مثلاً: چور نے کسی کمرے سے چوری کی ہے مگر تالا ٹوٹا ہوا نہ ہی ہینڈل ٹوٹا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کہیں سے چابی حاصل کرکے دروازہ کھولا۔ یہ قرائن ہیں جو آپ کو ایک نتیجے تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ بادی النظر میں جو بات بڑی ٹھوس (Solid) لگتی ہے وہ حقیقت میں اتنی بھی ٹھوس نہیں کیونکہ یہ امکان بھی ہے کہ رات گھر والے تالا لگانا ہی بھول گئے ہوں اور تالا لٹکا رہ گیا ہو، اس اثناء میں چور آیا، اس نے چوری کی، تالا لٹکایا اور

چلا گیا۔ تو پتہ چلا کہ قرائن (circumstantial evidences) کو شہادتوں سے رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرائن علم میں تیقّن اور واضحیت (clarity) میں اضافہ کرتے ہیں مگر وہ بذاتِ خود عقیدۂ توحید اور ایمان کی اساس نہیں بن سکتے۔

شہادت کی دوسری قسم قطعی شہادت (conclusive evidence) ہے اس کو قانونی اصطلاح میں براہِ راست شہادت (Direct evidence) بھی کہتے ہیں جبکہ وہ شہادت جو قرائن پر مبنی ہو بالواسطہ شہادت کہلاتی ہے۔ اللہ رب العزت کی توحید اور اس کے وجود پر بلاواسطہ، حتمی اور قطعی شہادت پیغمبر ﷺ کی ذات ہے۔ اس لئے اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا○ (۱)

''اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق ﷻ کی سب سے زیادہ مضبوط، کامل اور واضح) دلیلِ قاطع آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نور (بھی) اتار دیا ہے○''

وہ دلائل جو قطعی، حتمی اور ناقابلِ تردید ہوں انہیں برھان کہتے ہیں۔ عربی لغت میں برھان کا معنی 'أَوْكَدُ الْأَدِلَّة' ہے۔ یعنی دلائل میں سب سے قوی ترین دلیل جو رد نہ کی جا سکے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس اور عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت اور سب سے زیادہ مضبوط دلیل حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔

۱۳۔ توحید پر حضور ﷺ کی گواہی اصالۃً ہے

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اصل گواہی حضور نبی اکرم ﷺ نے دی۔

(۱) النساء، ۴:۱۷۴

اس پر پوری امت بغیر دیکھے گواہ بن گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ اللہ ایک ہے تو موقع کے گواہ آپ ﷺ بن گئے اور ساری امت حضور ﷺ کے صدقے سے آپ ﷺ کے اعتماد پر گواہ بنی ہے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی امت آپ ﷺ کی نائب (Vicegerent) ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ شہادت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شہادتِ اصالت ۲۔ شہادتِ نیابت

جب حضور ﷺ نے فرمایا ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے تو یہ شہادت اصالۃً ہے۔ جبکہ حضور کی امت کی گواہی کو نیابۃً شہادت کا درجہ حاصل ہوگیا۔

۱۴۔ توحید پر امت کی گواہی نیابۃً ہے

ہم جب کلمہ پڑھتے ہیں تو گویا اللہ رب العزت کے ایک ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے یعنی

I do give witness to Oneness of Almighty Allah

یہاں کوئی پوچھے کہ آپ کس طرح یہ گواہی دیتے ہیں جبکہ آپ نے تو دیکھا ہی نہیں۔ دیکھے بغیر گواہی کیسے ہوسکتی ہے؟ مثلاً: اگر کوئی قتل ہوا ہو اور آپ موقع واردات پر موجود نہ ہوں اور صرف اخبار میں پڑھا ہو یا کسی سے سنا ہو کہ فلاں نے اس کو قتل کیا ہے اور آپ عدالت میں پیش ہوجائیں اور کہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں کو فلاں نے قتل کیا ہے تو آپ کی اس بات کو عدالت نہیں مانے گی بلکہ عدالت آپ سے سوال کرے گی کہ کیا آپ موقع پر موجود تھے؟ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ نہیں تو عدالت آپ کی شہادت رد کر دے گی۔ کیونکہ گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جب آپ نے توحید کا مشاہدہ کیا ہی نہیں، اللہ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں صرف سنا ہے تو یہ آپ کا اعلان، شہادت کیسے بن گیا؟ قانون کی زبان میں یہ ساری کی ساری گواہی نیابۃً ہے۔ نیابت کا مطلب ہے

کسی کا نائب مختار بننا اور کسی کے تفویض کردہ اختیار کو استعمال کرنا۔

۱۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق ومخلوق ہیں

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو روز قیامت اعمال واحوالِ امت کا گواہ بنایا، یوں آپ ﷺ خالق کائنات اللہ رب العزت اور اس کی مخلوق کے گواہ بن گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝(۱)

''بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے امت محمدی آپ ﷺ کی شہادت کی بنا پر تمام سابقہ امم پر گواہ بن گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ج(۲)

''اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسولِ (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوعِ انسان پر گواہ ہو جاؤ۔''

۱۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء وامم ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ پر اعتماد کر کے جب ہم نے توحیدِ باری تعالیٰ کی گواہی دی تو ہمارا یہ اعلان (Declaration)، شہادت بن گیا جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:

(۱) الفتح، ۸:۴۸

(۲) الحج، ۷۸:۲۲

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۝ (۱)

’’پھر اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں روزِ قیامت کے اس منظر کی نشان دہی فرمائی جب ہر امت سے نبی لایا جائے گا جو اپنی امت پر شہید ہو گا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کی شہادت پر گواہ ہوں گے۔ گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی شہادت پر بھی قطعیّت (finality) کی مہر آپ ﷺ کی گواہی ہو گی جو رد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط (۲)

’’اور (یہ) وہ دن ہو گا (جب) ہم ہر امت میں انہی میں سے خود ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم آپ کو ان سب (امتوں اور پیغمبروں) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔‘‘

گویا ہر نبی شاہد الامت ہے اور حضور ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں۔ یعنی ہر نبی صرف اپنی امت پر گواہ ہے جبکہ حضور ﷺ تمام نبیوں اور امتوں پر گواہ ہیں۔ امتِ محمدی حضور نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی بناء پر سابقہ تمام امتوں پر گواہ بن گئی۔

۱۷۔ توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے

یہاں ایمان کے باب میں اور عقیدۂ توحید کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے ایمان کا متحقق ہونا واضح ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ ایمان کی بنیاد

(۱) النساء، ۴: ۴۱

(۲) النحل، ۱۶: ۸۹

رسول اللہ ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ پر ہے جس پر اعتماد کر کے اگر اللہ کو ایک مانا جائے تو عقیدۂ توحید وجود میں آتا ہے۔ یہاں سے توحید کا تصور (concept) اپنی واضح شکل میں اجاگر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ توحید کے لئے کسی وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں جان لینا چاہئے کہ اگر رسول ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ درمیان سے ہٹا دیا جائے تو اس کے بعد کوئی مسلمان مسلمان ہی نہیں رہتا خواہ ظاہراً اس کے سارے اعمال مسلمانوں والے ہی کیوں نہ ہوں اور وہ دن رات توحید کا اقرار کرتا پھرتا ہو۔

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

ا۔ ضمیرِ غائب ''ھُوَ'' کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص میں لفظ ''قُل'' کے بعد اسمِ ذات سے پہلے ''ھُوَ'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ کلامِ عربی میں ''ھُوَ'' ضمیر غائب کے لئے استعمال ہوتی ہے اور غائب چیز وہ ہوتی ہے جو آنکھوں کے سامنے نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے لئے زمان و مکاں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنی قربت کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ○ (۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں○''

بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر وقت موجود ہے لیکن اس قربت کے باوجود ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے ادراک و محسوسات میں آ سکتا ہے۔ اس کا فوق الادراک ہونا ہی دراصل شانِ اُلوہیت ہے اور اس شان کے اظہار کے لئے یہاں بیانِ توحید کے آغاز میں کلمہ ''ھُوَ''

(۱) ق، ۵۰:۱۶

استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے استعمال کی بعض حکمتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

ان حکمتوں میں ایک یہ ہے کہ غائب میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے اور یہ حاضر کے مقابلہ میں ''بُعدِ معنوی'' پر دلالت کرتا ہے۔ کلام کی فصاحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حاضر و موجود حقیقت کی طرف ضمیرِ غائب سے اشارہ کیا جائے۔ یہاں پر ''هُوَ'' کا لفظ دراصل ذاتِ حق کی غیر موجودگی اور حقیقی غیوبت پر دلالت نہیں کر رہا بلکہ اس سے مراد بُعدِ معنوی ہے یعنی فہم و ادراک و شعور سے دوری اور بلندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بُعدِ معنوی کا مفہوم

''بُعدِ معنوی'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِتنی بلند اور عُلوشان کی حامل ہے کہ انسان کی ناقص عقل و فکر اور فہم و بصیرت اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ عقل و شعور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ''هُوَ'' کی ضمیر غائب کا استعمال کیا گیا کیونکہ ''هُوَ'' کی غیوبت میں ذاتِ واجب الوجود کا ماورائے عقل و ادراک ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی حقیقت کو سمجھنا انسانی فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔

اِنسانی ذرائعِ علم کی حقیقت اور ان کی اقسام

اِس بُعدِ معنوی، بلندی اور غیوبت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اِنسانی ذرائعِ علم کا مطالعہ کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ ذرائعِ علم یعنی حواس، عقل اور وجدان وغیرہ کا دائرہ کار کیا ہے؟ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا ہمیں ''هُوَ'' ضمیر کی معنوی اہمیت کی سمجھ بھی نہیں آئے گی اور ذاتِ حق کے مافوق الادراک ہونے کا مفہوم بھی کاملاً واضح نہیں ہوگا۔ سرِدست ہم یہاں پر ذرائعِ علم اور ان کی اقسام کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں، اس موضوع پر تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''اَرکانِ ایمان'' کا مطالعہ کیا جائے۔

ذرائعِ علم کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ حواسِ خمسہ ظاہری

۲۔ حواسِ خمسہ باطنی

۳۔ وجدان کے لطائفِ خمسہ

حواسِ خمسہ ظاہری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے گردوپیش کے حالات اور ماحول سے اپنا ربط وتعلق قائم رکھنے کے لئے پانچ ذرائعِ علم عطا فرمائے ہیں جن کی بدولت وہ ظاہری طبیعی دنیا (Physical world) کی حقیقتوں کو جانتا اور ان کا شعور و ادراک حاصل کرتا ہے۔ یہ حواسِ خمسہ ظاہری کہلاتے ہیں اور ان کا ارتقاء عمر بھر جاری رہتا ہے۔ حواسِ خمسہ ظاہری مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ لامسہ (ہاتھوں سے چھونے کی قوت)

۲۔ قوتِ باصرہ (آنکھوں سے دیکھنے کی قوت)

۳۔ قوتِ سامعہ (کانوں سے سننے کی قوت)

۴۔ قوتِ ذائقہ (زبان سے چکھنے کی قوت)

۵۔ قوتِ شامہ (ناک سے سونگھنے کی قوت)

یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک کا اپنا اپنا مخصوص اور محدود دائرہ کار ہے۔ یہ حواس ایک دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتے اور اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو تو بقیہ دوسروں پر انحصار کر کے کسی شے کی حقیقت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ ان میں سے کوئی بھی حس مفقود ہو جائے تو باقی سب مل کر بھی اِس کی تلافی نہیں کر سکتے مثلاً آواز کو کان کے ذریعے، رنگوں کو آنکھ کے ذریعے، خوشبو کو ناک کے ذریعے، سرد اور گرم کو چھونے کے ذریعے اور کڑواہٹ اور میٹھاس کو زبان کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آواز کو آنکھ سے، رنگ کو ہاتھ سے اور ذائقے کو کان وغیرہ کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ غرض ان پانچوں حواس کا اپنا اپنا

دائرہ کار ہے۔ کوئی حِس دوسرے کے قائم مقام نہیں بن سکتی یعنی اپنے دائرے سے ہٹ کر کسی چیز کے معیار اور اس کی نوعیت کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ پس یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر کوئی شے دنیا میں موجود ہو مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہ ہو تو پھر باقی سارے حواس بروئے کار لانے کے باوجود بھی اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا ان حواسِ ظاہری کے محدود دائرہ کار کی بے بضاعتی کو بنیاد بنا کر کسی وجود کی عدم موجودگی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

اِنسان نے علوم وفنون اور جدید سائنسی حقائق کو دریافت کرنے میں بلا شبہ بہت ترقی کر لی ہے۔ لیکن اس کی یہ ساری ترقی، بلندی اور معراج پھر بھی ایک محدود دائرے کے اندر ہے۔ انسان کی پرواز وہیں تک پہنچ سکتی ہے جہاں تک اسے یہ حواسِ خمسہ لے کر جاسکتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ عالمِ بالا کی بہت سی حقیقتیں اور ان تک رسائی انسان کے حواس کے دائرہ ہی سے خارج ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا کمزور انسان اور اس کا محدود دائرۂ علم اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقیقت کو محسوس کر سکے اور سمجھ سکے۔ اس لئے یہاں انسان کو اظہارِ عجز و درماندگی کے علاوہ چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بالآخر ان ماورائی حقیقتوں کی خبر رکھنے والے رسولِ اکرم ﷺ کی دہلیز پر سرِ نیاز خم کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت تک رسائی کے لئے علمِ نبوت ہی مضبوط اور مستحکم رابطے کا کام دیتا ہے۔

حواسِ خمسہ کے لئے عقل کی ناگزیریت

اگر ان پانچوں حواس کو عقل کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل نہ ہو تو یہ کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کا لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہوتا ہے اور جب تک عقل اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جُستجو کی خاص نہج پر رہنمائی نہ کرے اس وقت تک وہ ادراک و احساس علم کا روپ نہیں دھار سکتا۔ کیونکہ اِنسانی جسم مکمل طور پر ایک خود کار مشین کی طرح ہے اور اِس میں دماغ کی حیثیت کمپیوٹر کی سی ہے۔ دماغ پورے

جسمِ اِنسانی کو کنٹرول کرتا ہے اور اِس کو ایک نظام کے تحت مربُوط کرتا ہے نیز اِن سب میں ایک شعوری کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو بہ منزلہ ایک کارخانہ (Factory) بنا دیا اور حواس اِس میں کل پرزوں کی طرح روبہ عمل ہیں۔ حواسِ خمسہ کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے نہ کہ اِن محسوسات کو سمجھنا۔ کان بذاتِ خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے، آنکھ بذاتِ خود فیصلہ نہیں کرسکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے۔ غرض اِسی طرح دوسرے حواس کا معاملہ ہے کہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

۲۔ ''ھُوَ اللہ'' عقل کے ادراک سے بلند ہے

عقل اپنے اِن پانچوں حواس کی مدد سے اِن محسوسات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی اور بتاتی ہے کہ کانوں نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا پکڑا، زُبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ آخری فیصلہ عقل اِنسانی صادر کرتی ہے۔ لیکن جب ذاتِ حق کے ادراک کی بات آئے تو حواسِ خمسہ تو رہے ایک طرف، یہاں عقل بھی جواب دے جاتی ہے۔ ''ھُوَ'' میں پوشیدہ حکمت اِسی امر کی غماز ہے کہ ذاتِ حق کی حقیقت جس طرح حواس کے ادراک سے دُور ہے اِسی طرح عقلِ انسانی کے شعور و ادراک سے بھی وراء الوراء ہے۔

۳۔ ''ھُوَ اللہ'' حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے

حواسِ ظاہری کا دائرہ کار، صرف مادی اور طبیعی دُنیا تک محدود ہونے کے باعث غیر مادی اشیاء کے ادراک سے محروم ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اِنسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقلِ انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ خام مواد علم کا روپ نہیں دھار سکتا۔ مثلاً کسی دیوانے یا پاگل اِنسان کے تمام حواس تو اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح و سالم ہوتے ہیں مگر دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا ہوتا، اِس لئے اِس کے حواس اِسے کسی نتیجے پر پہنچنے نہیں دیتے۔ نتیجتاً صحیح علم وجود میں نہیں آتا اور وہ زندگی کے اعتدال سے محروم ہو جاتا ہے۔

حواسِ خمسہ باطنی

جس طرح محسوساتِ ظاہری کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں اِسی طرح عقلِ انسانی میں باطنی سطح پر بھی پانچ حواس یا مدرکات پیدا کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حسِّ مشترک ۲۔ حسِّ خیال

۳۔ حسِّ واہمہ ۴۔ حسِّ حافظہ

۵۔ حسِّ متصرفہ

اِن پانچوں حواسِ باطنی اور مدرکات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ جیسے ہی انسانی عقل کا یہ گوشہ حواسِ ظاہری کے اوّلین تاثرات کو وصول (Receive) کرتا ہے وہ اِس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہماری آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اِنسانی عقل اُس حسِ مشترک کو قبول کر لیتی ہے۔ اِس کو مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ حسِ مشترک کو تالاب تصور کیا جائے اور پانچوں حواسِ ظاہری کو اُس میں پانی پہنچانے والی نہریں۔

۲۔ حسِ خیال مدرکات اور محسوسات کی اُن تصاویر اور شکلوں کو جو حسِ مشترک میں پہنچتی ہیں اُن کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے مثلاً جب ہم لفظ ''میں'' بولتے ہیں تو اِس لفظ کی ظاہری صورت یعنی ''م''، ''ی'' اور ''نون غنہ'' ہے۔

۳۔ حسِ واہمہ مدرکاتِ حسی کے معنی و مفہوم یعنی اُن کی باطنی شکل و صورت کا ادراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لئے اُن تاثرات کو اُس سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے۔

۴۔ حسِ حافظہ محسوسات کے مفہوم معنوی کے وجود کو اِسی طرح محفوظ کرتی ہے جس طرح اِن کی ظاہری شکل کو حسِ خیال نے محفوظ کیا تھا۔

۵۔ حسِ متصرفہ کا کام یہ ہے کہ حسِ مشترکہ میں آنے والی ظاہری صورت کو قوتِ واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حسِ خیال میں محفوظ شکل وصورت کو قوتِ حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اِس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر اِن کا مفہوم سمجھنے اور اِن میں فرق کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک دوسرے کے مدد ومعاون بنتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم، ادراک میں بدل جاتا ہے۔ اگر حسِ مشترک موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس ایک عضوِ معطل کی طرح بے بس ہو کر رہ جائیں۔ ہر حس کا دوسری حس سے گہرا تعلق ہے اور ایک دوسرے کے بغیر ناقص ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حواسِ خمسہ ظاہری کا علم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے حواسِ خمسہ باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواسِ ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواسِ باطنی کے ذریعے ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں، اس وقت تک حواسِ ظاہری کی بنا پر محسوس کیے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔ گویا حواسِ ظاہری کسی شے کو محسوس تو کرتے ہیں، اسے معلوم نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف عقل اور اس کے حواسِ باطنی مکمل طور پر حواس ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔ حواس پر ماحول کی اثر پذیری اس حد تک ہے کہ اگر کسی بچے کی پیدائش کے بعد اس کی ایسے مقام پر پرورش کی جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں پڑنے نہ پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کو پہنچ جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں وہ دراصل ان آوازوں کا نتیجہ ہے جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظہ کی لوح پر محفوظ کر لیا۔ جب کوئی شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ، حروف، لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی، تو جس طرح اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا، اسی طرح اس شخص کو اپنی

کیفیات، حاجات اور خواہشات کے بیان و اظہار پر بھی قدرت حاصل نہ ہو سکی۔ یہی سبب تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں اہلِ عرب اپنی اولاد کی تربیت و پرورش کیلئے انہیں بدوی عورتوں کے سپرد کر دیتے تھے، تاکہ وہ ان لوگوں کی خالص اور فصیح عربی زبان سن کر بولنے پر قادر ہو سکیں۔

انسان اور اس کی بساطِ علم

اب یہ بات طے ہو گئی کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا جو حقیقت انسان کے حواسِ خمسہ ظاہری (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ) کی دسترس سے باہر ہو، اس کا ادراک عقل بھی نہیں کر سکتی کیونکہ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضوِ معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے حواس بے کار اور بے مصرف ہیں۔

پس انسان کو عطا کردہ ذرائع ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے حواسِ خمسہ اور عقل فعال ہونے کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات جواب طلب رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آغازِ کائنات کیسے ہوا؟ اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا؟ اس کائنات سے انسان کا کیا تعلق ہے؟ کائنات میں بحسن و خوبی زندگی گزارنے کے لیے کون سے قانون کی پاسداری لازمی ہے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا؟ مرنے کے بعد انسان کا کیا ٹھکانا ہے؟ آیا موت ہر چیز کا اختتام ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز؟ اگر مرنے کے بعد انسان نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس حیاتِ ثانیہ کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد وہ اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوگا یا نہیں؟

علیٰ ھذا القیاس انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا بامقصد زندگی پر یقین رکھنے والے ہر انسان کو تسلی بخش جواب چاہیے۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لیے حواسِ خمسہ میں

سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دے کر پوچھتا ہے کہ ہمارا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ حقائق ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ یہ مادی جسم سے ماورا ہیں ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ اس طرح انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔

جب واضح ہوجاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اخلاقی و روحانی اور اعتقادی ونظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے، حواسِ خمسہ کی زد سے ماورا ہیں تو انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے: اے میرے وجود کے لیے سرمایۂ افتخار! میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق، اب تو ہی میری راہنمائی کر! مگر عقل بھی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے: اے انسان! میں تو خود تیرے حواس کی محتاج ہوں۔ وہ چیز جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کرسکتی ہوں؟ میں تو حواس کی طرح بے بس و مجبور ہوں اور تیری کوئی راہنمائی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ذاتِ حق کا ادراک باطنی حواس سے بھی ممکن نہیں۔

۴۔ ’’ھُوَ اللہ‘‘ کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے

رب تعالیٰ نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ بھی عطا کیا ہے جسے وجدان کہتے ہیں۔ انسانی وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، جن کو لطائفِ خمسہ سے موسوم کیا جاتا ہے:

۱۔ لطیفۂ قلب ۲۔ لطیفۂ روح ۳۔ لطیفۂ سر ۴۔ لطیفۂ خفی ۵۔ لطیفۂ اخفٰی

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہوجاتے ہیں، روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے جو حواس وعقل کی گرفت میں نہیں آ سکے تھے۔ لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی طبیعی کائنات تک محدود ہے۔ امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ووراء العقل طور آخر، تنفتح فيه عين اخرىٰ، فيبصر بها الغيب، وما سيكون في المستقبل، و أموراً آخر، العقل معزول عنها.(۱)

''اور عقل کے بعد ایک اور منزل ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اس کے ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔''

لیکن اس وسعت کے باوجود وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی محدودات (Limitations) سے ماوراء اور خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں انسانی وجدان انہیں جانچنے اور پرکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ جیسا کہ انسانی تخلیق اور اس کا مقصدِ تخلیق، نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم نہ تو حواس دے سکتے ہیں، نہ عقل اور نہ ہی وجدان۔ انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی، مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیّت اور قطعیت کا درجہ نہ دے سکا۔ چنانچہ انسان ہر طرف سے مایوس ہو کر خدا کی ذات کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ربِ کائنات! میں اپنی ذات، کائنات اور تیری ذات کا یقینی عرفان چاہتا ہوں مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کر سکے۔ اس لیے تو اپنے خزانۂ غیبی سے میرے لیے علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے، جو مجھے ان سربستہ حقائق کے بارے میں حقیقی آگاہی بخش سکے کہ فقط تیری ذات ہی ہے جہاں تمام حواس ناکام ہو جائیں، انسانی عقل خیرہ ہو جائے اور انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے، وہاں تجھ سے اس سرچشمۂ علم کے فیضان کی بھیک مانگی جا سکے۔

۵۔ هُوَ کی معرفت کے لئے ''هٰذا'' کو بھیجا گیا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط وَ

(۱) غزالی، المنقذ من الضلال: ۵۴

اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ○(۱)

’’بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (علیہ السلام) کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان (کے دین) کی پیروی کی ہے اور (وہ) یہی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور (ان پر) ایمان لانے والے ہیں، اور اللہ ایمان لانے والوں کا مددگار ہے○‘‘

یہاں هٰذَا النَّبِيُّ سے تمام اکابر مفسرین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات مراد لی ہے۔(۲)

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ رب العزت کی ذات ہمارے حواسِ ظاہری و باطنی اور وجدان کی رسائی سے بالا تر ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لئے ’’هُوَ‘‘ استعمال کیا جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ان کی تعظیم کی خاطر ’’هٰذَا‘‘ فرمایا کہ اگر تم ’’هُوَ‘‘ کی صحیح معرفت چاہتے ہو تو یہ نعمت تمہیں ’’هٰذَا‘‘ کی بارگاہ سے نصیب ہوگی۔

ترجمان حقیقت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اسی مفہوم کو شعری قالب میں یوں ڈھالا ہے:

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

گویا فاضل بریلویؒ نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ’’وہاں‘‘ استعمال کیا اور بارگاہِ رسالت کے لئے ’’یہاں‘‘ اور یہ عقیدہ بھی واضح کر دیا کہ ’’یہاں‘‘ کی معرفت کے بغیر

---

(۱) آل عمران، ۳:۶۸

(۲) ۱۔ ابن جریر طبری، جامع البیان، ۳:۲۱۸
۲۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳:۳۱۳
۳۔ نسفی، تفسیر القرآن الجلیل، ۳:۲۲۴
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲:۲۲۶

''وہاں'' کی رسائی ناممکن ہے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حواس کے ذریعے انسان کو حاصل ہونے والے علم میں بہرصورت غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ عقل غلطی کرسکتی ہے، وجدان اور کشف میں بھی سقم ہوسکتا ہے، جبکہ انسان تلاشِ حق کے لئے ایسے حتمی و قطعی علم کی جستجو اور طلب رکھتا ہے، جس میں غلطی، سقم اور خطا کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی موجود نہ ہو۔

اب یہ تو عین ممکن ہے کہ زید کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، عمرو کی آنکھ اسے غلط ثابت کردے۔ ایک شخص کی عقل ایک دلیل سے جو نتیجہ اخذ کرے، ممکن ہے دوسرے کی سوچ اسی دلیل سے اس کے برعکس نتائج اخذ کرے۔ اسی طرح وجدان اور دیگر حواس کے فیصلوں میں بھی غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن علم کا وہ درجۂ کمال اور علم کی وہ ارفع حالت جہاں غلطی اور خطا کے کسی امکان اور انتشار و افتراق کی کوئی گنجائش نہ ہو اس کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف بارگاہِ نبوت و رسالت کی دریوزہ گری ہے، یا پھر ان اہل اللہ سے وابستگی ہے جو اپنی ذات کو انوارِ نبوت و رسالت سے مستنیر کرچکے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسانی حواس ہوں یا انسانی عقل، یہ سارے کے سارے ذرائع انسان کو حتمی علم مہیا نہیں کرسکتے۔ حتمی علم صرف اُسے حاصل ہوتا ہے جس نے آفتابِ نبوت کے انوار سے اپنے سینے کو منور کرلیا ہو اور یہ مقام صوفیاء اور عارفانِ حق کو نصیب ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ علومِ نبوت و رسالت ہی وہ واحد ذریعہ ہیں، جن کی فراہم کردہ معلومات میں غلطی اور خطا کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا تو جب آپ ﷺ کے ذریعہ ہمیں ''ھُوَ'' کی خبر دی گئی تو وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اسی پر ایمان لانے میں ہمارے لئے نجات ہے۔

۶۔ ''ھُوَ'' علم بالادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے

یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کی ذات فہم و ادراک سے بالا تر ہے۔ آج تک علم و شعور کا ایسا کوئی پیمانہ دریافت ہوا نہ کبھی ہوسکتا ہے جس کے ذریعے ذاتِ حق کی معرفت

ممکن ہو۔ اس ذات کی صحیح معرفت اور پہچان صرف واسطۂ رسالت سے ممکن ہے۔ لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''ھُوَ'' علم بالا دراک کا نہیں بلکہ ایمان بالغیب کا موضوع ہے۔ عقل وشعور اور انسانی علوم کے ذریعے تحقیقات سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ حتمی اور قطعی نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ نہ ہی یہ موضوع ان کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

یہاں قدرتی طور پر ذہن سائنس اور اس کے اکتشافات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سائنس اور اس کی تحقیقات کا تعلق ہے، ان کو نظریات (Theories) کا نام تو دیا جاسکتا ہے مگر ان تحقیقات کو کائنات کے بنیادی حقائق کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آج سائنسی تحقیق ایک بات ثابت کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد دوسری تحقیق اسے غلط ثابت کردیتی ہے، آج سائنس کسی مسئلے میں ایک موقف اختیار کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد نئے تجربات کے تحت سائنسدان نیا نقطۂ نظر پیش کردیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا آغاز مفروضہ (Hypothesis) سے ہوتا ہے اور اس کی تصدیق تجربے (Experiment) سے ہوتی ہے۔ اس کے باوجود سائنس اپنے ارتقائی مراحل کے ذریعے نظریے کی منزل تک نہیں پہنچتی۔ ماہرین کے خیال میں سائنس کا اسی فی صد (80%) علم غیر یقینی (Indefinite) اور ظنی (Probable) ہے۔ یہ عمرانی علوم (Social Sciences) ہوں یا قدرتی علوم (Natural Sciences)، کیمیا (Chemistry) اور طبیعات (Physics) ہو یا نباتات (Botany) اور حیوانیات (Biology)، ان سب علوم کی تحقیقات کا ۷۰ یا ۸۰ فیصد حصہ ابھی اقدام و خطاء (Trial & Error) کے مرحلے میں ہے۔ سائنس اپنی سینکڑوں برس کی جدوجہد کے باوجود ایسا کوئی پیمانہ دریافت نہیں کرسکی جس پر وہ اپنی معلومات اور دریافتوں کو پرکھ کر قطعی اور حتمی شکل میں سائنسی دنیا کے سامنے پیش کرسکے۔ بہت کم ایسی سائنسی تحقیقات ہوں گی جو حتمی قانون کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ علم جب تک حتمیت اور قطعیت کے درجے تک نہ پہنچے، اس وقت تک باکمال نہیں بن سکتا۔ گویا سارے ذرائع علوم ابھی تک اقدام وخطاء کے مرحلے میں ہیں۔ لیکن نبوت و رسالت کے تمام علوم واکتشافات ہر قسم کی خطا اور غلطی سے منزہ ہونے کے باعث شروع سے آخر تک

حتمیت وقطعیّت کی شان اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص کی پہلی آیہ کریمہ میں لفظ ''اللہ'' استعمال کیا گیا ہے جو باری تعالیٰ کا اسمِ ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی ایک نام اسمِ ذات کے طور پر جانا جاتا ہے جبکہ باقی اسماء صفات ہیں۔ جس طرح بنیادی طور پر توحید کے دو پہلو ہیں یعنی ذات کے اعتبار سے اللہ کا ایک ہونا اور صفات کے اعتبار سے یکتا اور ایک ہونا، اسی طرح اس کے اسماء کے بھی دو پہلو ہیں۔ اس کا ایک نام ذاتی ہے اور کئی نام صفاتی ہیں۔ صفاتی نام سے کسی ذات کی مختلف جہتوں کا پتہ چلتا اور اس کی مختلف سمتوں کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو اسماء رحمن اور رحیم ہیں۔ یہ صفاتی نام اس کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کو رحمن اور رحیم کہا جائے گا تو اس سے اس ذات کی صفتِ رحمت کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ہوگی کہ وہ ذاتِ مہربان کس قدر رحمت فرمانے والی ہے۔ جب اس کے لئے **عالم** کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس سے اس کی صفت علم کا پتہ چلے گا کہ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

جب اس کے لئے **سمیع و بصیر** کے الفاظ استعمال ہوں گے تو ان سے پتہ چلے گا کہ اس کی سماعت وبصیرت کی صفات کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو **قدیر، خالق و مالک، معبود، مستعان، رب، قھار، جبار** کہا جائے گا تو ان سب صفاتی اسماء سے اس کی مختلف صفتوں کی نشاندہی ہوگی۔

ہر اسمِ صفت اس ذات کی کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتی ہے۔ گویا صفاتی ناموں سے اس کی صفات کا پتہ چلتا ہے جبکہ بیانِ توحید میں ذاتی نام استعمال کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ''اللہ'' ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ اسمِ عالی شان ہے جو کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے اللہ یکتا ہے اسی طرح اس ذاتِ واحد کا نام بھی شانِ یکتائی رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ حق کی معرفت سائنسی تحقیقات اور انسانی ذرائع علم سے ممکن نہیں کیونکہ وہ ذات فوق الادراک ہے۔ انسانی علوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ علوم جب تک دہلیزِ رسالت و نبوت پر سجدہ ریز نہ ہوں اس وقت تک ان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا علم جس عقل و وجدان پر اعتماد کرتا ہے، ان کی پرواز محدود ہے۔ یہ سب ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ ان کے لیے اس سے آگے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ لہٰذا معرفت باری تعالیٰ کی واحد صورت یہ ہے کہ انسان ذاتی تحقیقات اور کسی علم کی بجائے علومِ رسالت کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دے اور ”ھُوَ“ یعنی معرفتِ حق کی جستجو ”ھَذَا“ یعنی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے سن کر کرے۔

تیسرا رکن: اَحَدیّت (اللہ کا ایک ہونا)

سورۂ اخلاص میں احدیت کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○

”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔“

یہاں توحید کے تصور کو اجاگر کیا گیا ہے یعنی توحید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بھی ہے اور اس کی صفات کی طرف بھی۔ ذات کی طرف توحید کی نسبت کا معنی یہ ہے کہ اس کا اس پوری کائنات ہست و بود میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔ وہ معبود اور خالق و مالک ہونے کے اعتبار سے یکتا و یگانہ ہے۔ چونکہ احد کے صیغے میں واحد کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اس لئے ”اَحد“ کہا۔ ہرچند کہ ”وَاحد“ میں بھی اکیلا ہونے کا معنی پایا جاتا ہے لیکن ”وَاحد“ کہنے کی بجائے ”احد“ اس لئے کہا کہ کسی دوسرے کے

ہونے کے تمام تر امکانات ختم ہو جائیں اور یہ وہم و گمان بھی ذہن میں نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی دوسرا معبود بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عبادت کے لائق صرف اور صرف وہ تنہا ذات ہے، وہی معبودِ برحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود، خدا یا واجب الوجود ہستی اور قدیم مانے، تو وہ ذاتِ الٰہی میں شرک کا مرتکب ٹھہرے گا۔

مذاہبِ عالم میں ''اللہ'' کی وحدانیت کا تصور

پوری دنیائے انسانیت اور مذاہبِ عالم کی تاریخ کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب و ملت اور ہر طبقہ انسانیت میں مشرکانہ تصورات کے باوجود بھی کسی ایسی ہستی کا تصور ضرور موجود رہا ہے جس کے بارے میں وہ سب سے بلند و بالا اور کائنات کے خالق و مالک، رب الارباب اور رب کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے رہے ہیں۔ ہندو مذہب سے بڑھ کر مشرکانہ تصورات پر مبنی مذہب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے لاتعداد بتوں کی پوجا کا پرچار کرتا ہے۔ لیکن ان گنت خود ساختہ خداؤں کو ماننے والا یہ مذہب بھی ایک کو رب الارباب یعنی (خداؤں کا خدا) مانتا ہے۔ اسے وہ ''پریشور'' کا نام دیتا ہے۔ پریشور کو ماننے والے کسی عام دیوی دیوتا کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اسی پریشور کو ہندومت میں براہما کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یجروید ہندومت کی مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں پریشور اس براہمہ کے لئے استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ سمندروں، ندیوں اور دریاؤں کی نہریں بھی اسے پکارتی ہیں۔

اس پریشور اور براہما کے لئے ہندو ایک خاص لفظ ''اوم'' بطور اسم ذات استعمال کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں تزکیہ نفس کرنے والے جب نشست میں بیٹھ کر کسی ایسی ذات کے نام کا ورد کرتے ہیں جس کا مقابلہ کوئی دیوی دیوتا نہیں کر سکتا تو وہ مراقبہ کی حالت میں ''اوم'' کے ساتھ اس ذات کو پکارتے ہیں۔ یہ وہ لفظ ہے جسے ہندومت کی

اصطلاح میں "اللہ" کا ہم معنی کہا جاتا ہے۔ وہ مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے بھی شرک کی ہزاروں آلودگیوں کے باوجود اسی کو سب سے بلند و بالا ماننے پر مجبور ہیں اور اس کو وہ نام دینے پر مجبور ہیں جو اس کے سوا کسی مصنوعی رب کا نام نہیں۔

چوتھا رکن: صمدیّت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)

''اَللّٰہُ الصَّمَد'' کا معنی ذات کی نسبت سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوّل سے آخر تک از خود موجود ہے۔ وہ بے نیاز اور سب پر فائق ہے جبکہ ہر شئے اپنے وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی جو کوئی بھی کائنات میں موجود ہے اس کے وجود میں آنے کا سبب خدا کی ذات ہے اور ہر کسی کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ جب ہر کسی کا وجود اللہ رب العزت کا محتاج ٹھہرا تو اس کی صفات اور کمالات بھی محتاج ہوں گے جبکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ وجود میں کسی کا محتاج ہے اور نہ صفات و کمالات میں کسی کا محتاج ہے۔ مخلوق میں ہر کوئی اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اپنی صفات و کمالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

چنانچہ اس فرق کے تناظر میں ہمارا عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے لیکن وہ اپنے زندہ ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسری طرف ہم بھی زندہ ہیں لیکن ہم اپنی زندگی کے لئے اس کی بخشی ہوئی حیات کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفتِ کلام کسی کی حاجت مند نہیں۔ ہم بھی کلام کرتے ہیں لیکن ہمارا متکلم ہونا اس صاحبِ کلام کا محتاج ہے۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا بصیر ہونا کسی کا محتاج نہیں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن ہمارا دیکھنا اس کا محتاج ہے۔ وہ سمیع ہے بغیر حاجت کے، ہم سمیع ہیں اس کی حاجت کی بناء پر۔ وہ علیم و شہید ہے بغیر حاجت کے اور ہم علیم و شہید ہیں اس کے محتاج ہونے کے سبب سے۔ وہ رحیم، کریم، جواد اور رؤوف ہے بغیر حاجت کے لیکن ہم ہر معاملے میں اس کے محتاج ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ بغیر حاجت کے ہیں اور ہماری جملہ صفات اس کی عطا سے ہیں۔ اب اگر ہم خدا کو اس کی

ذات کی بناء پر رؤوف مانیں اور مصطفیٰ ﷺ کو اس کی عطا کی بناء پر رؤوف مانیں تو ایسا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اللہ کو کریم، شہید، علیم، قدیر اور صمد بالذات ماننا اور مصطفیٰ ﷺ کو کریم، شہید اور علیم، اللہ کا محتاج جان کر ماننا شرک نہ ہوگا۔

خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ

کچھ صفات صاحبِ صفت یعنی صفت پیدا کرنے والے میں بھی ہوتی ہیں اور دوسروں میں بھی (بطورِ عطا) ہوتی ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے حال اور شان کے مطابق ہوتی ہیں جبکہ دوسروں میں ان کے حسبِ حال ہوتی ہیں۔ ایسی صفات جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہیں بلکہ مشترک ہیں ان کا مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اثبات شرک نہیں ہوگا مثلاً

۱۔ اللہ دیکھنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○(۱)

''بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔''

لیکن قرآن مجید میں انسان کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا○(۲)

''پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے۔''

۲۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ رؤف رحیم ہے، ارشاد فرمایا:

(۱) الاسراء، ۱۷:۱

(۲) الدھر، ۷۶:۲

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○(۱)

''بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔''

اور قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○(۲)

''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں○''

۳۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ○(۳)

''بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے○''

اور حضور ﷺ کی نسبت فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا○(۴)

''پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور

(۱) البقرہ، ۲:۱۴۳
(۲) التوبہ، ۹:۱۲۸
(۳) الحج، ۲۲:۱۷
(۴) النساء، ۴:۴۱

(اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

فرمایا: اے محبوب! قیامت کا وہ کیا منظر ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک شہید اٹھائیں گے اور اس کی شہادت اس کی امت تک محدود ہوگی لیکن جب تمام محدود شہادتوں والے شہید (گواہ) ایک ایک کرکے گزر جائیں گے تو پھر آخر میں محبوب تجھے سب گواہوں پر ایسا گواہ بنائیں گے کہ کائنات کی ہر شئے اوّل سے آخر تک تیری شہادت پر موقوف ہوگی، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط(۱)

’’اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

اللہ بھی شہید ہے بندے بھی شہید ہیں۔ اللہ بھی رؤف ہے بندے بھی رؤف ہیں۔ اللہ بھی رحیم ہے بندے بھی رحیم ہیں۔ اللہ بھی کریم ہے بندے بھی کریم ہیں۔

اللہ بھی کلام کرتا ہے اور اس کے بندے بھی کلام کرتے ہیں۔ جس طرح ارشاد فرمایا:

۴۔ وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○(۲)

’’اور اللہ نے موسٰی (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی ○‘‘

اللہ رب العزت نے موسٰی علیہ السلام سے کلام کیا اور موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ صفاتِ مشترکہ ہیں۔ لیکن اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک پورے قرآن میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس کے معبود ہونے کا ذکر ہے وہیں اس کے ساتھ کسی بندے کو بھی معبود کہا گیا ہو۔ اللہ خالق ہے۔ وہ عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا ہے۔ وہ موت و حیات کا مالک ہے لیکن یہ سب کچھ کسی بندے کے بارے میں نہیں کہا گیا۔

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) النساء، ۴:۱۶۴

مشترک و غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ از روئے قرآن معبود ہونا اس کی غیر مشترک اختصاصی صفت ہے اور یہی قرآن بیان کر رہا ہے کہ سمیع و بصیر ہونا اس کی صفتِ مشترک ہے۔ معبود ہونے میں کوئی اس کا شریک، سہیم اور ساجھی نہیں جبکہ سمیع و بصیر، رؤوف و رحیم اور شہید جیسی صفات میں خالق کے ساتھ اس کے بندوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا جواب بڑا سادہ ہے اور وہ یہ کہ صفات کی ماہیت میں فرق ہے۔ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں کسی حال میں بھی نہ پائی جائے اس کو ''خاصۂ اُلوہیت'' کہا جاتا ہے اور وہ صفت جو اللہ تعالیٰ میں اس کی شان اُلوہیت کے اعتبار سے اور بندے میں اس کی شانِ عبدیت کے اعتبار سے پائی جائے اس کو محض صفت کہا جائے گا خاصۂ اُلوہیت نہیں۔ جب اللہ رب العزت کی ذاتِ مقدسہ ''وحدہٗ لاشریک'' ٹھہری تو خاصۂ معبودیت صرف اور صرف اسی کے لئے مختص ٹھہرا۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔ لہٰذا جو کوئی اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کو ایک لمحہ کے لئے بھی معبود کا درجہ دے وہ کافر اور مشرک ہے، خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہی سے ایسا اعتقاد کیوں نہ رکھے۔

لہٰذا مسلمانوں کا یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی حضور ﷺ کو معبود سمجھنا کفر و شرک ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو ان صفات سے متصف کرنا جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کفر و شرک ہے کیونکہ یہ صفات خاصۂ اُلوہیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی نسبت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ آپ ﷺ کی عبادت کی جا سکتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں یہ فرق ٹھہرا کہ کچھ صفات ایسی ہیں جو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کسی اور کے لئے نہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں اور غیر کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہم عبادت کرتے ہیں جو کمال درجے کی تعظیم ہے

جبکہ اپنے والدین کی بھی تعظیم کرتے ہیں لیکن عبادت میں والدین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ (تعظیم اور عبادت میں فرق پر تفصیلی بحث اسی کتاب کے باب سیزدہم میں ملاحظہ کریں۔)

پانچواں رکن: لا ولدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَمْ يَلِدْ.

''نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔''

پیدا ہونے والے کو بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں جو باپ کا جزو ہوتے ہیں۔ بیٹے سے جزئیت ثابت ہوتی ہے اور کُل کا کچھ نہ کچھ اثر جزو میں آتا ہے۔ اگر خدا کا (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ہوتا تو پوری نہ سہی کچھ نہ کچھ خدائی اس میں بھی آ جاتی کیونکہ بیٹا ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی اُلوہیت کے اوصاف اس میں کسی حد تک منتقل ہو جائیں۔ سورۂ اخلاص کی اس آیت مبارکہ میں اس چیز کی مکمل نفی کی گئی ہے۔

فرشتوں کے بارے میں یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللهِ وَ قَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ ط(۱)

''اور یہود نے کہا: عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا: مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔''

(۱) التوبة، ۹:۳۰

لطیف علمی استدلال

یہود و نصاریٰ کے عقیدے کا رد حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کرایا گیا۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ○(۱)

''فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمان کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا (یا اولاد ہوتی) تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا○''

آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اے یہود و نصاریٰ! تم جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ یقیناً عبادت کے لائق ہوتا اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں ہوتا کیونکہ سب سے پہلا عبادت گزار اس کائنات میں مجھے بنایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ○(۲)

''فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج وقربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے○ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں○''

قرآن نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو اور بیٹا ہو کر بھی خدا نہ ہو تو اس کی خدائی پر حرف آتا ہے۔ اسی طرح اگر بیٹا ہو کر خدا ہو تو بھی اس کی خدائی میں شرک واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بیٹے سے پاک ہونے کا قطعی

(۱) الزخرف، ۴۳: ۸۱

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۲-۱۶۳

اعلان ہوا تاکہ نہ خدائی پر حرف آئے اور نہ خدائی میں شرک لازم آئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کا کوئی جزو ہونا یا اس کا بیٹا ہونا اور اس کے نور کے براہِ راست پرتو سے تخلیق میں آنے میں بنیادی فرق ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! اللہ نے سب سے پہلے کسے پیدا فرمایا؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

إن الله خلق قبل الأشياء نور نبيک من نوره. (۱)

''بیشک اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔''

اس حدیثِ مبارکہ کے معنی ومفہوم سے بعض لوگ التباس اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''نور نبیک من نورہ'' کے کلمات جزئیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ ''لا والدیت'' اور مذکورہ حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں ان کا آپس میں التباس اور شائبہ پیدا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نور سے تخلیق مراد ہے، جزئیت ہرگز نہیں، جزئیت عقیدۂ باطل ہے۔

اس کا مطلب نہ تولد ہے اور نہ خدا کا جزو ہونا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے نور کا جزو ٹھہرایا بلکہ اپنے نور سے پیدا فرمانے کا معنی حدیث مذکورہ کے مطابق یہ ہے کہ اپنے نور کے براہِ راست فیض سے اللہ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ اس معنی کی تصریح مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے پہلے باب نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں مذکورہ بالا حدیث کے تحت یہی کی

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، باب فی تخلیق نور محمد ﷺ، ۱:۱۸

۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۱:۹

۳۔ حلبی، السيرة الحلبية، ۱:۳۱

ہے کہ ’’تیرے نبی کا نور اپنے نور کے براہِ راست فیض کے پرتو سے پیدا فرمایا۔‘‘

چھٹا رکن: لاولدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر۳ میں فرمایا:

وَ لَمْ یُوْلَدْ○

’’اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا○‘‘

جب اس کی طرح کوئی نہیں ہے تو اس کی کوئی اصل کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنے والا بھی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بھی فائق ہوگا کیونکہ باپ بیٹے پر تقدمِ زمانی اور وجود میں لانے کا سبب ہونے کی بنا پر بھی فائق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی باپ نہیں ہے اس لئے خدا پر نہ کوئی فائق ہے اور نہ مقدم۔ بیٹا، اپنے وجود میں آنے کے لئے باپ کا محتاج ہوتا ہے جبکہ خدا کسی کا محتاج نہیں اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس سورۂ توحید میں پیدائش اور ولادت کا ذکر دو طرح سے بیٹے کے طور پر اور باپ کے طور پر ہوا کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اگر کسی کی طرف ولادت منسوب ہو جائے، خواہ ولادت دینا ہو یا ولادت پانا، تو وہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔

جشنِ میلادالنبی ﷺ ردِّ شرک کا اجتماعی اعلان ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان کے معجزات کو دیکھا، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھوں کو شفایاب کرنا، مادرزاد نابینا کو صحت مند اور توانا بنانا، ان معجزات اور تصرفات و کمالات کو دیکھ کر امت نے انہیں خدا کے مقام پر فائز کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، معجزاتِ مصطفوی ﷺ کا درجہ نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ کے معجزات تو ان تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر حاوی ہیں جن کی امتوں نے ان کے

کمالات دیکھ کر ان کی نسبت خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

امتِ مصطفوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس نے اس امت کو یہ شعور عطا کیا کہ وہ قیامت تک ربیع الاول کے مہینے میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جشن مسرت مناتی ہے۔ حزم و احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کہ سید المرسلین ﷺ جو ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کے حق دار ہیں، خدا نہیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ برگزیدہ نبی ﷺ ہیں کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔ تو گویا میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانا اعلانِ توحید ہے۔ اور نصاریٰ کے برعکس امتِ مسلمہ کا یہ عمل دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہر شرک کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کا میلاد نہ منانے سے شرک کا شائبہ ہو سکتا تھا کہ امت حضور ﷺ کی ولادت کیوں نہیں مناتی۔ کہیں کوئی یہ تو نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ ولادت منانا شرک نہیں بلکہ ردِ شرک کا اجتماعی اعلان ہے۔

ساتواں رکن: لا کفویت

(کسی کا اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونے کا بیان)

وَ لَم یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ○

''اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے○''

اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی تمام صفتوں میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صمد ہے نہ کوئی احد، (کوئی اللہ کے سوا) لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ، وہ سلسلۂ تولید و توالُد سے یکسر پاک ہے۔ کوئی واجب الوجود ہے اور نہ کوئی واجب الارادہ، ان ساری صفتوں میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج اور تابع ہے۔ اس کا کوئی شریک، ہم پلہ اور کفو نہیں۔

خلاصۂ کلام

سورۂ اخلاص میں بیان کردہ سات ارکان کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک ماننا عقیدۂ توحید ہے اور ان سات ارکان میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار اور اس سورت میں بیان کردہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ لیکن جن جائز امور سے اس سورت میں منع نہیں کیا گیا وہ اپنی جگہ حق ہیں۔ ان جائز امور کو شرک بنانا اور توحید کو توحید کے تقاضوں سے نکالنا افراط وتفریط کا شکار ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے دین اور شریعت مصطفوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام طبقات توحید اور ردِ شرک کے مسئلہ میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال ومیانہ روی کی راہ کو اپنا شعار بنائیں۔

www.MinhajBooks.com

باب سوم

توحید اور شرک کی متقابل اقسام

﴿اجمالی تعارف﴾

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت	• شرک فی الرّبوبیت
۲۔ توحید فی الأُلوہیت	• شرک فی الأُلوہیت
۳۔ توحید فی الأسماء والصفات	• شرک فی الأسماء والصفات
۴۔ توحید فی التحریم	• شرک فی التحریم
۵۔ توحید فی الاحکام	• شرک فی الاحکام

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک پر روشنی ڈالنے سے قبل ہم اِن دونوں کی اقسام پر بحث کرتے ہیں جن کو محققین نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ وہ خطباء، مقررین اور طلباء جو اپنے علم وفن کے میدان میں طاق اور ماہر نہیں ہوتے مگر بزعمِ خویش خود کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں اپنے عقائد کے باب میں فکری و اعتقادی واضحیت Clarity نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ بہت سے اُمور خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور ایسی ایسی چیزوں کو زیرِ بحث لاتے ہیں جن کا تعلق نہ عقیدۂ توحید سے ہوتا ہے اور نہ شرک سے۔ ایسے لوگ خود بھی فکری اُلجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ عقائد کے باب میں صحیح تصورات کو سمجھا جائے۔ اُمتِ مسلمہ کے جو افراد بلاوجہ مسلمانوں کی واضح اکثریت سوادِ اعظم پر فتویٰ لگا کر ان کو مشرک و بدعتی گردانتے ہیں اور انہیں دائرۂ اِسلام سے بیک جنبشِ لب خارج کر دیتے ہیں اِن کے نقطۂ نظر میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملتِ اِسلامیہ کے اندر افتراق، انتشار اور خلفشار کی جو فضا پائی جاتی ہے اسے ختم کیا جا سکے۔ آئندہ ابواب (باب: ۳ تا باب: ۵) میں توحید اور شرک کی اقسام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ امر بخوبی نکھر کر سامنے آجائے گا کہ کسی چیز پر شرک کا اطلاق تب ہوگا جب اس کے ذریعے توحید کی اُس قسم کی نفی ہوگی جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو۔

www.MinhajBooks.com

• توحید کی اقسام

ائمہ عقائد و کلام نے توحید کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت

۲۔ توحید فی الاُلوہیت

۳۔ توحید فی الأ سماء والصفات

۴۔ توحید فی التحریم

۵۔ توحید فی الاحکام

ذیل میں ان پانچوں کی مختصراً وضاحت پیش کی جا رہی ہے جبکہ ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت

توحید فی الرُّبوبیت کو توحیدِ اثبات کہتے ہیں۔ درحقیقت توحید فی الربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان لایا جائے اور اِس امر کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رب اور پروردگار ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، پروردگار اور مدبر الامور جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔

۲۔ توحید فی الاُلوہیت

توحید فی الالوہیت کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کی ذات اِس قابل اور لائق ہے کہ اِس کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔

۳۔ توحید فی الأ سماء والصفات

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد اور یکتا ہے اسی طرح اسماء وصفات اور افعال کے اعتبار سے بھی واحد اور یکتا ہے۔ پھر جس طرح اللہ

تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کے خاص اسماء و صفات اور افعال میں بھی کوئی اس کا شریک و مثیل نہیں۔

۴۔ توحید فی التحریم

توحید فی التحریم سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور تحریمات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں۔

۵۔ توحید فی الأحکام

اِس سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ احکامِ شریعت کو مانا جائے جنہیں اُس نے بذریعہ وحی اپنے نبی ﷺ کے واسطہ سے اُمت کو عطا کئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ احکام بھی اللہ رب العزت ہی کے عطا کردہ تصور ہوں گے۔ کسی اور کے اقوال کو قرآن و سنت جیسی حجت نہیں مانا جائے گا۔

اِن پانچوں اقسام کے تفصیلی فہم کے لئے انکی مزید تقسیم بھی کی گئی ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

ا۔ توحید فی الربوبیت کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

(ا) توحید فی الذات

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے، کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں۔ اس کی بیوی نہیں، اِس کے والدین اور اولاد نہیں جیسا کہ سورہ اخلاص میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) توحید فی الخَلق والایجاد

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق اور مالک بالذات ہے اور اُس کی خالقیتِ مطلقہ میں کوئی شریک نہیں۔

۲۔ توحید فی الاُلوہیت کی اقسام

اِس کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں:

(۱) توحید فی العبادت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا حقدار اور کوئی نہیں۔ صرف وہی ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے۔

(۲) توحید فی القدرت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق، شہنشاہِ کل اور متصرف علی الاطلاق اور قادر بالذات ہے۔

(۳) توحید فی الدُعا

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا و تنہا حقدار ہے کہ جملہ دعائیں، التجائیں اور مناجات اُس سے کی جائیں۔ شدائد و مصائب میں صرف اور صرف اُسی پر توکل کیا جائے۔ حقیقی مستجابُ الدّعوات اُسی کی بارگاہ ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۴) توحید فی العلم

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشہادۃ ہے۔ اس کا علم بالذات، بالقدرت، کلی اور ''وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ'' کی شان کا حامل ہے۔

۳۔ توحید فی الأسماء و الصفات کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) توحید فی الاسماء

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنے ناموں میں بھی واحد و یکتا ہے۔

(۲) توحید فی الصفات

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۳) توحید فی الأفعال

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص افعال میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ تدبر فی الامور میں واحد، یکتا و یگانہ ہے۔

۴۔ توحید فی التحریم کی اقسام

توحید فی التحریم کی تین اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) توحید فی التحریمات

توحید فی التحریمات سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کئے گئے بعض مقامات، مہینے، قربانی کے جانور، نذر و نیاز، حلف اور احکام کی حلت و حرمت کو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص سمجھا جائے۔

(۲) توحید فی النذور

اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کردہ قربانیوں اور منتوں میں توحید کا معنی یہ ہے کہ منت

صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح نذر، صدقہ اور خیرات بطور عبادت صرف اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں۔

(۳) توحید فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے نام پر اُٹھائی جانے والی قسم اور حلف میں توحید یہ ہے کہ شرعی حلف صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی پر احکامِ شرعی مرتب ہوں گے۔

۵۔ توحید فی الأحکام کی اقسام

توحید فی الأحکام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) توحید فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری ہوا۔

(۲) توحید فی الحکم الشرعی

اس سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جس سے کوئی شرعی مسئلہ معلوم ہو جائے۔

• شرک کی اقسام

ائمۂ عقائد اور اُصولیین نے جس طرح توحید کی اقسام بیان کی ہیں اِسی طرح اِس کے مدِمقابل شرک کی اقسام بھی بیان کی ہیں۔ توحید کی طرح شرک کی بھی پانچ اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شرک فی الربوبیت

۲۔ شرک فی الألوہیت

۳۔ شرک فی الأسماء و صفات

۴۔ شرک فی التحریم

۵۔ شرک فی الاحکام

۱۔ شرک فی الربوبیت

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان نہ لانا توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے۔

۲۔ شرک فی الألوہیت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی غیر کو اُس کی عبادت میں شریک مانا جائے۔

۳۔ شرک فی الاسماء و الصفات

توحید فی الأسماء و الصفات کے برعکس کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء و صفات میں شریک سمجھنا شرک فی الأسماء و الصفات ہے۔

۴۔ شرک فی التحریم

اِس سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور دیگر تحریمات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں انہیں یا اِن کے مماثل تحریمات کو غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com

۵۔ شرک فی الاحکام

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے اُمتِ مسلمہ کو جو احکام و تعلیمات عطا فرمائی ہیں وہی قابلِ عمل اور باعثِ نجات ہیں۔ اِن کے علاوہ کسی اور کے احکامات اور تعلیمات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یا اس کے مثل ماننا

شرک فی الاحکام کہلاتا ہے۔

درج بالا شرک کی پانچوں اقسام کی مزید تقسیم درج ذیل ہے۔

۱۔ شرک فی الربوبیت کی اقسام

توحید فی الربوبیت کی طرح شرک فی الربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرک فی الذات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کا شریک ٹھہرانا، کسی کو اُس کا ثانی و ہمسر ماننا اور اُس کے لئے بیوی، والدین اور اولاد کا عقیدہ رکھنا شرک فی الذات ہے۔

(۲) شرک فی الخلق والایجاد

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کائنات کا خالق اور مالک بالذات ماننا شرک ہے۔

۲۔ شرک فی الألوہیت کی اقسام

توحید فی الألوہیت کی طرح شرک فی الألوہیت کی چار اقسام ہیں:

(۱) شرک فی العبادت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ماننا شرک فی العبادۃ ہے۔

(۲) شرک فی القدرت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو قادرِ مطلق اور حقیقی متصرف بالذات ماننا شرک فی القدرت ہے۔

(۳) شرک فی الدعا

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعائیں مانگنا اور اس پر دعاؤں کے قبول یا عدمِ قبول کا یقین رکھنا اور اس پر بالذات توکل کرنا شرک فی الدعا ہے۔

(۴) شرک فی العلم

اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کو عالم بالذات، بالقدرت اور حقیقی معنی میں محیط بالکل سمجھنا شرک فی العلم ہے۔

۳۔ شرک فی الأسماء و الصفات کی اقسام

توحید فی الأسماء و الصفات کی طرح شرک فی الأسماء و الصفات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شرک فی الأسماء

اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک فی الأسماء ہے۔

(۲) شرک فی الصفات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کی خاص صفات میں شریک ٹھہرانا شرک فی الصفات ہے۔

(۳) شرک فی الأفعال

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اُس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا شرک فی الأفعال ہے۔

۴۔ شرک فی التحریم کی اقسام

شرک فی التحریم کی توحید فی التحریم کی طرح تین اقسام ہیں:

(۱) شرک فی التحریمات

جو تحریمات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں انہیں یا اُن کے مماثل تحریمات غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک فی التحریمات کہلاتا ہے۔

(۲) شرک فی النذور

کفار و مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے منتیں ماننا، کھیتی باڑی، کاروبار اور چوپایوں کے حصے بطورِ نذر و عبادت ماننا شرک فی النذور کہلاتا ہے۔

(۳) شرک فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام کا شرعی حلف اُٹھانا اور اسکے توڑنے پر شرعاً کفارہ کو واجب سمجھنا جیسے کفار و مشرکین لات و عزی اور ھبل و منات کے لئے قسم اُٹھاتے تھے۔ یہ شرک فی الحلف کہلاتا ہے۔

۵۔ شرک فی الأحکام کی اقسام

توحید فی الأحکام کی طرح شرک فی الأحکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرک فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو اس نے کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری فرمایا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک سمجھنا شرک فی الحکم الکونی ہے۔

(۲) شرک فی الحکم الشرعی

شارع یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی طرح کسی اور کے اقوال کو قرآن و سنت جیسی حجت تسلیم کرنا شرک فی الحکم الشرعی ہے۔

ثبوتِ شرک کے لئے نفیٔ توحید کی بالصراحت ضرورت ہوتی ہے

توحید اور شرک کی مذکورہ بالا تقسیم کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ شرک کے ثبوت کے لئے توحید کی بالصراحت نفی لازم ہے کیونکہ شرک ایک واضح اور معین شرعی اصطلاح ہے جسے عمومی رنگ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ شرک کا حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے یہ تعیّن کرنا ضروری ہے کہ جس اَمر کو شرک کا نام دیا جا رہا ہے اُس کا اُلٹ عینِ توحید ہے۔ شرک کوئی ایسی ٹوپی نہیں جسے اپنی صوابدید کے مطابق جس کے سر پر چاہیں رکھ دیں۔ توحید اور شرک دو متقابل اور دو متضاد چیزیں ہیں یعنی ایک کی نفی کرنے سے دوسرے کا اِثبات ہوگا۔ شرک ثابت کرنے کے لئے توحید کی نفی کرنا ہوگی اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ تعیّن کرنا بھی لازمی ہوگا کہ شرک کا توحید کے مقابلے میں کون سا درجہ ہے۔ آیا یہ شرک، شرک فی الربوبیت ہے یا شرک فی الالوہیت یا شرک فی التحریم۔

اگر شرک فی الربوبیت ہے تو اِس کا تعین کر کے یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ مندرجہ ذیل اقسام میں سے شرک کی کون سی قسم ہے: شرک فی الذات ہے یا شرک فی الصفات، شرک فی الافعال ہے یا شرک فی الاسماء۔ جو شخص کسی پر شرک کا فتویٰ صادر کرے لیکن وہ مدعی، شرک کی قسم کا بالصراحت تعین نہ کر سکے کہ جس سے توحید کی کسی قسم کی نفی اور تضاد کو ثابت کیا جا سکے تو ایسے شخص کا الزامِ شرک باطل تصور کیا جائے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اقسامِ توحید کے باب میں عبادت کا کسی بھی معنی میں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے ثبوت بلا استثناء مجازی اور حقیقی، ہر دو معنی کے اعتبار سے شرک ہے۔ البتہ مشترک صفت کا غیر اللہ کے لئے اِستعمال مجازاً جائز ہے۔ حقیقی معنی میں اُس صفت کا اِثبات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے مخلوق کے لئے جائز نہیں۔ عطائی معنی میں کسی مشترک صفت کا مخلوق کے لئے ثبوت تب شرک بنتا ہے جب وہ حق، مخلوق کے لئے اُسی طرح ثابت کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے۔ یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ شرک کی تخصیص، شرک کی وضاحت، تعریف اور اقسام کی صحیح معرفت کی متقاضی ہے۔

جب بھی شرک کی بحث ہوگی تو توحید فی الربوبیت، توحید فی الالوہیت اور توحید فی التحریم کی نفی اور اِن کا تضاد ثابت کرنا ہوگا۔ اِن تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ جس سے شرک ثابت ہو سکے۔

مبادیاتِ الٰہیات کو بغور سمجھنے کی ضرورت ہے

عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو جاننے کے لئے ایمان کے باب میں الٰہیات کی مبادیات اور تکنیکی اُمور کو شرح صدر سے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی چیز کا مثبت پہلو توحید اور اُس کا منفی پہلو شرک ہے مثلاً اگر ہم دن کو مثبت پہلو کہیں تو اُس کا منفی پہلو رات ہوگا۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دن، ظہر اور عصر باہم متضاد چیزیں ہیں کیونکہ اِن میں تضاد کی کوئی کیفیت پائی ہی نہیں جاتی۔ اِسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ رات، عشاء اور نصف شب متضاد صورتیں ہیں اِس لئے کہ اِن میں بھی تضاد نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

تضاد کے تعیّن کا منہاج

اس تناظر میں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ کن چیزوں میں تضاد کارفرما ہے اور کن چیزوں میں نہیں جیسے:

۱۔ رات اور دن دو متضاد حقیقتیں ہیں جن کا تضاد بالکل واضح ہے اور ان میں کسی قسم کا التباس اور ابہام نہیں پایا جاتا۔

۲۔ شیرینی اور مٹھاس کا الٹ اور متضاد ترشی اور کڑواہٹ ہے۔

۳۔ روشنی اور تاریکی ایک دوسرے کے الٹ ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ سبز رنگ کی روشنی اور سرخ رنگ کی روشنی ایک دوسرے کی متضاد ہے۔

۴۔ تضاد کی ایک اور مثال نر اور مادہ کی ہے جب ہم تذکیر اور تانیث کی بات کرتے ہیں

تو کوئی صاحبِ عقل و ہوش یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ مذکر اور بھائی میں یا مونث اور ماں میں کوئی تضاد ہے۔

ان مثالوں سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ دو چیزوں کی حقیقت اور ماہیت جاننے کے لیے ان کے درمیان درجہ بندی اور حد بندی کی خصوصیت کا تعیّن ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے آگاہ نہیں تو پھر کسی چیز کی حد بندی اور اس کے متضاد کو جاننا ممکن نہیں۔

توحید اور شرک کے تعیّن کا منہاج

اعتقادی و علمی مباحث کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ نفس مسئلہ کو الگ الگ کر کے اس کا تجزیہ کیا جائے۔ لہٰذا اس خاص منہجِ تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل اصطلاحات کو ازبر کر لینا ضروری ہے:

۱۔ تعیّن (Fixation & Determination)

اس اصطلاح میں مخصوص، مقرر اور معیّن ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسے مطلق ہستی کے مقابلے میں کسی غیر مطلق ہستی اور وجود کا ہونا۔ ہم ایک مخصوص چیز کو زیرِ بحث لاتے ہوئے کسی موضوع، شئے یا تصور کو اپنا ہدف بنا کر اس کی تخصیص کا کوئی پیمانہ وضع کرتے ہیں۔ تعیّن کی اصطلاح ہم اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کسی موضوع یا مضمون کے صحیح تشخص کا پتہ چلانا مقصود ہو۔

۲۔ تضمُّن (Inclusion & Implication)

یہ اصطلاح اس وقت بروئے کار لائی جاتی ہے جب کسی چیز، خیال یا مضمون کے ان عناصرِ ترکیبی کو دریافت کرنا ضروری ہوتا ہے جو اس میں اصلاً موجود ہوں اور اس کا اطلاق اس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر کیا جائے تاکہ اس کے تمام مشمولات کا احاطہ ہو سکے۔ اگر کوئی پہلو اس کے دائرے (scope) سے باہر نہ ہو تو یہ تضمنات گویا اس کے

اجزاء ہیں جو اس کی جامعیت کے وصف کو تسلسل عطا کرتے ہیں۔

۳۔ حدودِ صحت (Limitations of validity)

اس اصطلاح کے ذریعے اس امر کو دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ کسی موضوع کی صحت کے حدود کیا ہیں؟ اس کا آغاز کس مقام سے ہوتا ہے؟ اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس سے آگے کن مماثل اور نئے موضوعات کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ حدود دراصل کسی موضوع کے معنوی اطلاقات کی صحت اور عدمِ صحت کو متعین کرنے کے ساتھ اسے ایک دائرے میں محدود کر کے کسی کمی بیشی سے محفوظ رکھتی ہیں۔

۴۔ امتیاز (Differentiation &Distinction)

اس اصطلاح سے ہم دو مماثل چیزوں اور تصورات کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے نہ صرف مثبت طریقے سے اصل موضوع کی نشان دہی ہو بلکہ دیگر مماثل موضوعات سے اسے ممتاز بھی کیا جا سکے۔ یعنی کوئی ایسی تخصیص ہونی چاہیے جو اس کے وجود کی نشان دہی کرے اور اس کے مفہوم کو دوسروں سے نمایاں کر کے اسے الگ طور پر دیکھنے کی استعداد پیدا کردے۔ یہ خصوصیت نہ صرف کسی چیز کو قطعیت کا درجہ عطا کرتی ہے بلکہ اس کے اور دوسری چیزوں کے درمیان کوئی التباس اور ابہام باقی نہیں رہنے دیتی: مثلاً مختلف انسانوں اور جانوروں میں ملتی جلتی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور کچھ چیزوں میں غیر مماثل خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ان کے درمیان خط امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے فرق کو جاننے کا کوئی پیمانہ ہو جس سے ان میں تمیز کی جا سکے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دو ملتی جلتی یعنی مماثل چیزوں میں بھی کوئی نہ کوئی فرق ضرور نکل آتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مماثلت رکھنے والی دو چیزوں میں فرق معلوم کرنے کے لئے ان میں عدمِ مماثلت رکھنے والی باتوں کا پتا چلایا جائے۔ اس کی مثال دو جڑواں بہنوں سے دی جا سکتی ہے کہ گہری مشابہت و مماثلت کی بنا پر دیکھنے والا ان میں امتیاز نہیں کر پاتا لیکن ان کی ماں سے پوچھا جائے تو وہ آپ کو سینکڑوں مختلف

چیزیں بتائے گی اور کہے گی کہ یہ دونوں ایک جیسی ہرگز نہیں۔ پس اگر صرف مماثلت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سے ذہنی انتشار جنم لے گا۔ اس لئے ان چیزوں پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے جو عدمِ مماثلت رکھتی ہیں۔ اس طرح فکری و ذہنی خلجان سے بچا جا سکتا ہے۔ جڑواں بہنوں کی مثال کو مدِنظر رکھیں تو ماں ان کے درمیان فرق بتاتے ہوئے کہتی ہے کہ ان میں وجہِ امتیاز ان کی آنکھیں ہیں۔ ایک کی آنکھیں بڑی اور دوسری کی چھوٹی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے دانتوں کی ساخت میں بھی فرق ہے۔ ان کی عادات بھی ایک جیسی نہیں۔ ایک زیادہ چالاک ہے اور دوسری سادہ مزاج وغیرہ۔ پس اگر آپ دو علیحدہ وجود رکھنے والی حقیقتوں اور اکائیوں میں موجود عدمِ مماثلت رکھنے والے پہلوؤں سے آگاہ ہیں تو آپ کو ان کے درمیان پایا جانے والا فرق معلوم ہو جائے گا۔ جب تک آپ چیزوں کے امتیازی تشخص کو نہیں جانیں گے آپ کسی چیز کی تخصیص حتمی طور پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کسی چیز کی صحت اور عدمِ صحت کی حدود اور اس کے درست اور نادرست ہونے کے فرق کو جاننے کیلئے چیزوں کی حدود اور ممانعت کو جاننا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر آپ کسی چیز کی تخصیص نہیں کر سکتے۔

توحید اور شرک میں بُعد المشرقین

توحید اور شرک دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ توحید ایک سمت میں ہے تو شرک اس کی دوسری سمت میں ہے۔ اگر کوئی توحید کی مخالف سمت میں جائے گا تبھی وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ کسی چیز کو شرک Declare کرنے سے پہلے یہ تعیّن کرنا لازمی ہے کہ توحید کے کس Article، ضابطے اور درجے کی نفی ہوئی ہے۔ بدقسمتی سے بعض لوگ شریعت کا یہ بنیادی تقاضا سمجھے بغیر بے دریغ شرک کا فتویٰ صادر کرتے رہتے ہیں اور اپنی فتویٰ بازی سے لوگوں کو مشرک کہنے سے ذرہ بھر نہیں ہچکچاتے۔ وہ ایک طرح سے توحید پر اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ شرک کوئی عمومی نہیں بلکہ خصوصی تصور (Specific Concept) ہے۔ شرک محض گناہ، بدعقیدگی اور غلط بات نہیں بلکہ کفر کا ارتکاب ہے، حتیٰ کہ بدعت کو بھی شرک کے زمرے میں نہیں رکھا

جا سکتا۔ اگر کوئی چیز حرام ہے تب بھی آپ اسے شرک نہیں کہہ سکتے۔ شرک ہونے کے لئے لازمی ہے کہ وہ صریحاً عقیدۂ توحید کی نفی ہو۔ شرک کا مرتکب محض حرام و ناجائز کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ یکسر ایمان سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ شرک کا معاملہ انتہائی گھمبیر اور پیچیدہ ہے۔ اسے کبھی عمومی اور معمولی انداز سے نہیں لینا چاہیے ورنہ خود عقیدۂ توحید مذاق اور کھیل بن جائے گا۔

توحید و شرک کی متقابل اقسام کا یہ اجمالی تعارف تھا۔ آئندہ صفحات میں ان متقابل اقسام کی تفصیلات الگ الگ ابواب میں آ رہی ہیں۔

www.MinhajBooks.com

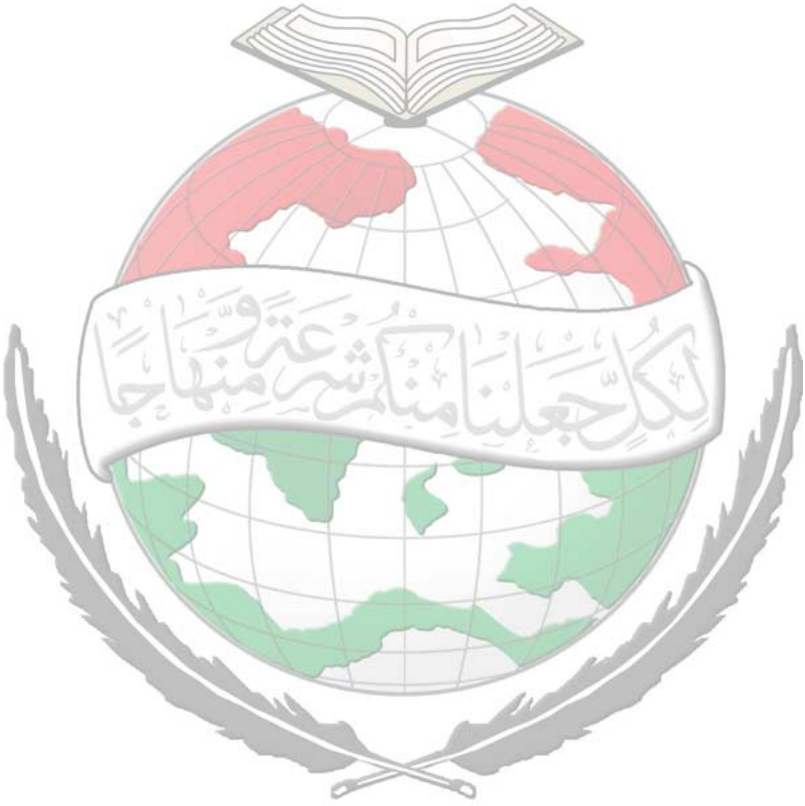
باب چہارُم

توحید فی الربوبیت
اور
شرک فی الربوبیت

۱۔ توحید فی الذات • شرک فی الذات

۲۔ توحید فی الخَلق والایجاد • شرک فی الخَلق والایجاد

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

توحید فی الرُّبوبیت کا مفہوم

ائمۂ علم العقائد نے توحید فی الربوبیت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو بيان أن الله وحده خالقُ كل شيءٍ، و أنه ليس للعالم صانعانِ متكافئانِ۔(۱)

''اس بات کا بیان کہ ہر چیز کا خالق بے شک اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہی ہے اور یہ کہ عالم کو وجود دینے والے دو ہم پلہ خالق نہیں ہیں۔ توحید فی الربوبیت کہلاتا ہے۔''

اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

هو الإقرار الجازم بأن الله تعالى رب كل شيء و ملكيه، و خالقه، و مدبره، و المتصرف فيه، لم يكن له شريک في الملک، و لم يكن له و ليّ من الذل، ولا رادّ لأمره، ولا معقب لحكمه، ولا مضاد له، و لا مماثل له، ولا سميّ له، ولا منازع في شيء من معاني ربوبيته و مقتضيات أسمائه و صفاته۔(۲)

''توحید فی الربوبیت سے مراد اس بات کا پختہ اقرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب ہے، اس کا مالک ہے، اس کا خالق ہے، اس کا مدبر ہے، اس میں تصرف کا اختیار کلی رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کوئی اس کا شریک نہیں، وہ کمزوری سے پاک ہے اس لئے اس کا کوئی مددگار نہیں، اس کے امر کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں، کوئی

---

(۱) ابن ابی العز الدمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱: ۱۲۵، ۱۲۶

(۲) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۴

اس کی مخالفت کرنے والا نہیں، کوئی اس کی مماثلت کرنے والا نہیں، کوئی اس کا ہمنام نہیں، اس کی صفات و اسماء کے تقاضوں اور اس کی ربوبیت کے معانی میں کوئی بھی اس سے اختلاف و نزاع کی ہمت نہیں رکھتا۔‘‘

توحید فی الرَّبوبیت کو توحیدِ اثبات بھی کہتے ہیں۔ درحقیقت توحید فی الربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان لایا جائے اور اِس امر کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رب اور پروردگار ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، پروردگار اور مدبر الامور جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔ درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں توحید فی الربوبیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ (۱)

’’ان کے پیغمبروں نے کہا: کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، (جو) تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو تمہاری خاطر بخش دے۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الإسراء میں فرمایا:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ج وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○ (۲)

’’موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: تو (دل سے) جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو کسی اور نے

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۱۰

(۲) الإسراء، ۱۷: ۱۰۲

نہیں اتارا مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے عبرت و بصیرت بنا کر، اور میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ اے فرعون! تم ہلاک زدہ ہو (تو جلدی ہلاک ہوا چاہتا ہے)o‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَo قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَo قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَo بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَo(۱)

’’(ان سے) فرمایئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگر تم (کچھ) جانتے ہوo وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتےo (ان سے دریافت) فرمایئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟o آپ (ان سے) فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ (تو) آپ فرمائیں پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے؟o بلکہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا اور بیشک وہ جھوٹے ہیںo‘‘

۴۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا:

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۴۔۹۰

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ○ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ○ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ○ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ○ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ○(۱)

’’(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: (وہ) جملہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو○ اس نے ان (لوگوں) سے کہا جو اس کے گرد (بیٹھے) تھے: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ ○ (موسیٰ علیہ السلام نے مزید) کہا کہ (وہی) تمہارا (بھی) رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) رب ہے○ (فرعون نے) کہا: بیشک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے○ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: (وہ) مشرق اور مغرب اور اس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم (کچھ) عقل رکھتے ہو○‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعۃ میں فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ○ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ○ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ

(۱) الشعراء، ۲۶: ۲۴۔۲۸

شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ○ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ○ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○[1]

’’بھلا یہ بتاؤ جو نطفہ (تولیدی قطرہ) تم (رِحم میں) ٹپکاتے ہو ○ تو کیا اس (سے انسان) کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا فرمانے والے ہیں؟ ○ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو مقرّر فرمایا ہے اور ہم (اِسکے بعد پھر زندہ کرنے سے بھی) عاجز نہیں ہیں ○ اس بات سے (بھی عاجز نہیں ہیں) کہ تمہارے جیسے اوروں کو بدل (کر بنا) دیں اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم جانتے بھی نہ ہو ○ اور بیشک تم نے پہلے پیدائش (کی حقیقت) معلوم کر لی پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟ ○ بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو ○ تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ ○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ ○ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا ○ بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے ○ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو ○ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟ ○ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ ○ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو ○ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟ ○ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے ○ سو اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کیا کریں ○‘‘

زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے مختلف امور میں کارفرما تدبیر کے ساتھ جمادات، نباتات، حیوانات اور عالم انس ہر جگہ زندگی کے آغاز و اِنجام اور عروج و زوال کے یکساں قوانین کا نافذ العمل ہونا بھی اِس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اِن تمام موجودات کو تخلیق کرنے اور پالنے والی ذات ایک ہی ہے اور اُس کی ربوبیت و پرودگاری میں ہر

(۱) الواقعة، ۵۶: ۵۸-۷۴

جگہ ایک ہی اُصول کارفرما ہے۔ یہی نظامِ وحدت اُس کی وحدانیت پر دلیلِ قاطع ہے۔ اس پر چند آیات درج ذیل ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ (۱)

’’(وہی) صبح (کی روشنی) کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا ہے، اور اسی نے رات کو آرام کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب وشمار کے لئے، یہ بہت غالب بڑے علم والے (ربّ) کا مقررہ اندازہ ہے○‘‘

۷۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (۲)

’’وہی ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم وبیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو، اور اللہ نے یہ (سب کچھ) نہیں پیدا فرمایا مگر درست تدبیر کے ساتھ، وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں○‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ہی فرمایا:

---

(۱) الانعام، ۶: ۹۶

(۲) یونس، ۱۰: ۵

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ○(۱)

’’بیشک رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان (جملہ) چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہیں (اسی طرح) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ رکھتے ہیں○‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا○(۲)

’’اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے پھر اس (کی بقا و ارتقاء کے ہر مرحلہ پر اس کے خواص، افعال اور مدت، الغرض ہر چیز) کو ایک مقررہ اندازے پر ٹھہرایا ہے○‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا:

اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَکٰفِرُوْنَ○(۳)

’’کیا انہوں نے اپنے مَن میں کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر (نظامِ) حق اور مقرّرہ مدت (کے دورانیے) کے ساتھ، اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات

---

(۱) یونس، ۱۰: ۶

(۲) الفرقان، ۲۵: ۲

(۳) الروم، ۳۰: ۸

کے مُنکِر ہیں○‘‘

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ○(۱)

’’اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز (یعنی نطفہ) سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوتِ (شباب) پیدا کی، پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے○‘‘

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ○(۲)

’’(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے، پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ (تیار ہوکر) خشک ہوجاتی ہے، پھر (پکنے کے بعد) تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے○‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) الروم، ۳۰:۵۴

(۲) الزمر، ۳۹:۲۱

• شرک فی الربوبیت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان نہ لانا توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے۔

علماء نے شرک فی الربوبیت کے مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

هو اعتقاد متصرف مع الله عزوجل في أي شيیء من تدبير الكون من إيجا، أو إعلام، أو إحياء، أو إماتة، أو جلب خير، أو دفع شر، أو غير ذلک من معانی الربوبية، أو اعتقاد منازع له في شيیء من مقتضيات أسمائه و صفاته۔(۱)

''اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کسی بھی چیز میں کسی کے تصرف کا اعتقاد رکھنا شرک فی الربوبیت ہے (مثلاً) تدبیرِ کائنات میں سے اس کے عدم و وجود میں غیر کا تصرف، زندگی بخشنے اور موت عطا کرنے میں تصرف، طلبِ خیر اور دفعِ شر میں غیر کا تصرف ماننا یا اس کے علاوہ ربوبیت کی صفات یا اس کے اسماء اور صفات کی مقتضیات میں سے کسی چیز میں بھی اس کی مخالفت کا اعتقاد رکھنا۔''

زمین و آسمان کی تخلیق جیسی اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا مشرکین اقرار کرتے تھے، لیکن نفع و نقصان میں کسی اور طرف رجوع کرتے تھے تو انہیں طلبِ خیر اور دفعِ شر کے مالک حقیقی کی طرف توجہ دلائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ

(۱) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۵

اَرَادَنِیَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ط قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ط عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ○ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ○ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ○[1]

’’اور اگر آپ اُن سے دریافت فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، آپ فرما دیجئے: بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ (بُت) اس کی (بھیجی ہوئی) تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ (بُت) اس کی (بھیجی ہوئی) رحمت کو روک سکتے ہیں، فرما دیجئے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں○ فرما دیجئے: اے (میری) قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تم (انجام کو) جان لو گے○ (کہ) کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب اترے گا○‘‘

توحید فی الربوبیت اور شرک فی الربوبیت کی اقسام

توحید فی الربوبیت اور شرک فی الربوبیت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ توحید فی الذات اور شرک فی الذات

۲۔ توحید فی الخلق والایجاد اور شرک فی الخلق والایجاد

آئندہ صفحات میں مندرجہ بالا اقسام کی الگ الگ تفصیلی بحث آ رہی ہے۔

(۱) الزمر، ۳۹: ۳۸۔۴۰

ا۔ توحید فی الذات

توحید فی الذات یہ ہے کہ واجب الوجود ہستی کو معبود اور الٰہ تسلیم کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہی وحدہٗ لاشریک ذات ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا اور اس کو مختلف مراحل سے گزار کر نقطۂ کمال تک پہنچایا۔ آیئے قرآن حکیم سے چند مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ا۔ توحید فی الذات کے بیان میں سورۂ اخلاص نہایت جامع ہے گذشتہ صفحات میں ہم اسی سورت کی روشنی میں ارکانِ سبعہ پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

ا۔ سورۂ الانبیاء میں توحید فی الذات کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۱)

’’اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا کوئی اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔‘‘

اگر ایک ہی واجب الوجود ہستی کے ہونے کا عقیدہ رکھنے کی بجائے ایک سے زائد ہستیوں کو متصرف حقیقی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات توحید فی الذات کی نفی ہوگی جس سے نظامِ کائنات ایک وحدت کی صورت میں نہ صرف برقرار نہیں رہے گا بلکہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اس آیتِ کریمہ میں بنیادی چیز توحید فی الذات کے عقیدے کا اثبات ہے۔

۲۔ سورۂ یوسف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ○ (۲)

---

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۲۲

(۲) یوسف، ۱۲: ۳۹

’’اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! (بتاؤ) کیا الگ الگ بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟‘‘

۳۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ○ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ○ (۱)

’’اگر اللہ ارادہ فرماتا کہ (اپنے لئے) اولاد بنائے تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب فرما لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے، جو یکتا ہے سب پر غالب ہے○ اُس نے آسمانوں اور زمین کو صحیح تدبیر کے ساتھ پیدا فرمایا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو (ایک نظام میں) مسخّر کر رکھا ہے۔ ہر ایک (ستارہ اور سیّارہ) مقرّر وقت کی حد تک (اپنے مدار میں) چلتا ہے، خبردار! وہی (پورے نظام پر) غالب، بڑا بخشنے والا ہے○ اس نے تم سب کو ایک حیاتیاتی خلیہ سے پیدا فرمایا پھر اس سے اسی جیسا جوڑ بنایا پھر اس نے تمہارے لئے آٹھ جانور جوڑوں کی صورت میں مہیا کئے، وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں ایک تخلیقی مرحلہ سے اگلے تخلیقی مرحلہ میں ترتیب کے ساتھ تمہاری تشکیل کرتا ہے (اس عمل کو) تین قسم کے تاریک پردوں میں (مکمل فرماتا ہے)، یہی تمہارا پروردگار ہے جو سب قدرت و سلطنت کا مالک

(۱) الزمر، ۳۹: ۴۔۶

ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر (تخلیق کے یہ مخفی حقائق جان لینے کے بعد بھی) تم کہاں بہکے پھرتے ہو○"

۴۔ سورۃ الزمر میں ہی آگے چل کر توحید فی الذات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ○ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ○ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ○ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(۱)

"اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے○ اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کُنجیاں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہی لوگ ہی خسارہ اٹھانے والے ہیں○ فرما دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو○ اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہو جائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا○ بلکہ تُو اللہ کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا○ اور انہوں نے اللہ کی قدر و تعظیم نہیں کی جیسے اُس کی قدر و تعظیم کا حق تھا اور ساری کی ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمانی کرّے اُس کے دائیں ہاتھ (یعنی قبضۂ قدرت) میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک ہے اور ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جسے یہ

(۱) الزمر، ۳۹: ۶۲۔۶۷

لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ○"

۵۔ سورۃ المؤمن میں توحید فی الذات کو یوں موضوع بنایا گیا:

ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ○ کَذٰلِکَ یُؤْفَکُ الَّذِیْنَ کَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ○ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَ رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ط ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ج فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ز وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (۱)

"یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو○ اسی طرح وہ لوگ بہکے پھرتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے○ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں شکل وصورت بخشی پھر تمہاری صورتوں کو اچھا کیا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی، یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب جہانوں کا رب ہے○ وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم اس کی عبادت اُس کے لئے طاعت و بندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے○ فرما دیجئے: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی پرستش کروں جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے واضح نشانیاں آ چکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری کروں○"

(۱) المؤمن، ۴۰: ۶۲۔۶۶

۶۔ توحید فی الذات کا اثبات اور شرک فی الذات کا رد قرآن حکیم کی اس ایک آیت سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (۱)

''پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں واجب الوجود اور واجب الارادہ ہستی کے ایک ہونے کا بیان ہے یعنی اس کے سوا اس کائنات میں کوئی اس شان کے لائق نہیں کیونکہ معبود حقیقی فقط وہی ہوسکتا ہے جو واجب الوجود، واجب الارادہ اور مختار کل ہو۔ کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ بھی انہی کلمات پر مشتمل ہے۔

۷۔ پھر ایک اور جگہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (۲)

''ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔''

اگر عالمِ انفس و آفاق کا مطالعہ کیا جائے اور بہ نظرِ غائر ہر ایک مظہر کا جائزہ لیا جائے تو ہر چیز اس کے ایک اور حق ہونے کی گواہی دیتی نظر آئے گی۔ ان سب ارشادات ربانی کی روشنی میں توحید بالذات کا معنی ذاتِ باری تعالیٰ کے معاملے میں یہ ہے کہ اگر کوئی ایک سے زیادہ خداؤں پر ایمان رکھتا ہے تو وہ شرک فی الذات کا مرتکب ہو رہا ہے۔ حاکمِ مطلق فقط اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ اس عقیدہ کا حامل توحید فی الذات کا قائل ہے اور یہی ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ ہے۔ اگر اس کے برعکس کوئی کہے کہ میں ایک خدا پر ایمان تو رکھتا ہوں مگر اس کے نائب خدا، نائب

(۱) محمد، ۴۷: ۱۹

(۲) حم السجدة، ۴۱: ۵۳

مالک اور نائب رب کو بھی اسی طرح مانتا ہوں جس طرح ایک صدر کے نائب صدور ہوتے ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الذات کہلائے گا، جیسا کہ کفارِ مکہ اور مشرکین لات و منات، ھبل اور عزیٰ نامی بے شمار خداؤں پر ایمان رکھتے تھے۔

حرمِ کعبہ میں تین سو ساٹھ خودساختہ خدا رکھے ہوئے تھے، جن کی پرستش کر کے مشرکین شرک فی الذات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی وشوا، کرشنا اور بہت سے دوسرے ناموں کے بت خدا مانے جاتے ہیں۔ لیکن برہما ان کے نزدیک سب سے بڑا خدا ہے جسے وہ رب الارباب (مہاتما یا خداؤں کا خدا) مانتے ہیں۔ سار بابو ہندوؤں کے نزدیک بارش کا خدا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے بھی اس طرح بارش کا خدا اور ہر ایک کام کے لئے الگ الگ بہت سے خدا بنا رکھے تھے۔ ہر ایک خدا کوئی نہ کوئی مراد اور ضرورت پوری کرنے کے لئے مخصوص تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی حاجت برآری کے لئے آتا اور کسی ایک خدا سے ان کی مراد پوری نہ ہوتی تو وہ کسی اور خدا کی طرف رجوع کر لیتے جو ان کے نزدیک مخصوص کام سرانجام دینے پر مامور ہوتا، جیسے رزق اور دولت کا خدا اور بچوں کی پیدائش کا خدا، جنگ کا خدا، امن کا خدا، خوراک کا خدا اور بارش کا خدا وغیرہ۔ یہ شرک فی الذات ہے جس کے باعث انہوں نے خودساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔

www.MinhajBooks.com

• شرک فی الذات

شرک فی الذات کا معنی یہ ہے کہ وہ قوت، قدرت، ملکہ، صفت اور خاصہ جو معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اس کو اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لئے بالذات ثابت کیا جائے اور اسے متصرف فی الامور حقیقی طور پر مانا جائے جیسے سجدہ کرنا، اس کے نام پر جانور ذبح کرنا، اس کی منت ماننا، کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کا عقیدہ رکھنا وغیرہ۔ یعنی وہ سب امور جو اللہ کا حق ہیں انہیں کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک فی الذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے شرک کی حقیقت یوں بیان فرمائی:

۱۔ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ○ (۱)

’’کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ (خود) پیدا کئے گئے ہیں○‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ (۲)

’’کیا وہ خالق جو (اتنا کچھ) پیدا فرمائے اس کے مثل ہوسکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہ کر سکے، کیا تم لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے؟○‘‘

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلمِ عظیم اور کھلی گمراہی ہے خواہ وہ لکڑی اور پتھر کے تراشے ہوئے بت ہوں یا انسانوں میں سے کوئی اِس کا شریک اور ساجھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ظلمِ عظیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج

(۱) الأعراف، ۷: ۱۹۱

(۲) النحل، ۱۶: ۱۷

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا○[1]

’’بے شک اللہ اِس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے واقعۃً زبردست گناہ کا بہتان باندھا۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں شرک کو ایک ناقابلِ معافی جرم قرار دیا گیا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے یا بندگانِ خدا کو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو ساجھی بنا لینا، اس کا ہم جنس، ہم نوع ماننا، یا کفو، ند، ضد اور مقابل بنانا وغیرہ سب سے زیادہ گھناؤنا اور بدترین شرک ہے۔

شرک فی الذات اور یہود و نصاریٰ

یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا اور بیٹی کا تصور منسوب کیا جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کی شان کا حامل ہے۔ چنانچہ یہود کے بعض فرقوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو صرف زبانی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہی نہیں بلکہ اس کا صلبی بیٹا قرار دیا۔ اسی طرح جہینہ اور بنی سلمہ وغیرہ کفار نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ انہی باطل اعتقادات کی بناء پر وہ شرک فی الذات کے مرتکب ہوئے۔

انسان شرک فی الذات کا مرتکب کب ہوتا ہے؟

توحید فی الذات کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ ہر صفت اور امر کو مصدقہ طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا جائے اور اسی کو بلاشرکتِ غیرے ہر چیز کا مالک اور متصرف بالذات مانا جائے۔ شرک فی الذات اس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی بات جو بلا امتیاز خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے لئے اس طرح مانی جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ

(۱) النساء، ۴: ۴۸

کے کسی حق پر زد پڑ رہی ہو اور اس کی توحید کی نفی اور بطلان ہو رہا ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حق کی کسی اور کے لئے توسیع بھی شرک ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور وجود سے اللہ کے حق کا تحقق اور اس کا اثبات شرک کے زمرے میں آئے گا۔ تاہم اس کا اطلاق کسی اور کے لئے کرنا تبھی توحید کی نفی ہوگا جب اس بات کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی امتیازی حق کی نفی اور بطلان ہوا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو محض مشترک اور عمومی صفت کی بناء پر اسے شرک کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

www.MinhajBooks.com

۲۔ توحید فی الخلق و الایجاد

اللہ رب العزت نے اپنی تخلیقی صفات کی تعریف قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر بیان کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شرک فی الخلق کی کوئی قسم اللہ تعالیٰ کے عملِ تخلیق میں کسی کے شریک ہونے کی مظہر ہے تو لامحالہ اسے عقیدۂ توحید فی الخلق سے متصادم و متعارض سمجھا جائے گا اور دونوں کے مابین براہِ راست تضاد و عدم موافقت کا امکان پیدا ہونے سے توحید فی الخلق کے عقیدے کی نفی ہو جائے گی۔ اس امر کا تعین کرنے کے لئے کہ آیا ان دونوں امکانات میں کسی قسم کا تضاد موجود ہے یا نہیں ہم ظن و تخمین اور اپنی صوابدید سے فیصلہ کرنے کی بجائے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ○ (۱)

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا، پھر وہ (کائنات کے) بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے انہیں درست کر کے ان کے سات آسمانی طبقات بنا دیئے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔‘‘

۲۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ۔ (۲)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۲) بنی اسرئیل، ۱۷: ۹۹

(وہ) اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔‘‘

۳۔ سورۂ نوح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo[1]

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات (یا متعدّد) آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (طبق در طبق) پیدا فرمائےo اور اس نے ان میں چاند کو روشن کیا اور اس نے سورج کو چراغ (یعنی روشنی اور حرارت کا منبع) بنایاo‘‘

ان آیاتِ کریمہ میں توحید فی الخَلق کے باب میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ اس نے تمہارے لئے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمانی کائنات کے بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس بالائی کائنات کو سات آسمانی طبقات میں منقسم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید فی الخلق اس امر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات ارضی و سماوی میں ہر چیز کا خالق ہے۔ اسی نے تخلیق کائنات کو بہ تمام و کمال پایہ تکمیل تک پہنچایا اور وہی اس امر کا حق دار ہے کہ بلاشرکت غیرے اس کی عبادت کی جائے۔ اس لئے کہ وہی خالق حقیقی ہے اور جو کچھ دنیا و ماسویٰ میں پیدا کیا گیا وہ اسی کی صنعت گری اور صفت تخلیق کا آئینہ دار ہے۔

اس نے عالمِ ارض و سماوات کے پیدا ہونے کا ذکر کر کے انسان کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ وہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ زمین تا تحت الثریٰ کارخانۂ قدرت وہی چلا رہا ہے اور آسمانوں کے بالائی کرّوں کا مالک بھی وہی ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی کا نظام اس کے ہاتھ میں ہے تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اسی طرح تاریکی اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ سب کچھ

(۱) نوح، ۷۱:۱۵۔۱۶

بیان کرکے وہ کفار و مشرکین سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ شرکاء جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لاکھڑے کئے ہیں اس کے برابر ہوسکتے ہیں؟ جبکہ اس نے کسی کو بھی اپنا شریک و سہیم نہیں بنایا۔ اس سوال کا جواب بھی جو حتمی طور پر نفی میں ہے۔ اس کی توحید فی الخلق کا واضح اعلان ہے۔

توحید فی الخلق کے باب میں قرآن کا مشرکین سے سوال

توحید فی الخلق میں دلائل و شواہد کی بنا پر ان مشرکین سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں کی وہ پوجا کرتے ہیں کیا وہ کوئی ایسی چیز تخلیق کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ رکھتا ہے؟ اور کیا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح خلق کرنے کی قابلیت استطاعت اور قوت و اہلیت سے بہرہ ور ہیں؟ دوسرے لفظوں میں کیا وہ اللہ کی مثل کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب بھی یقیناً نفی میں ملے گا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہے۔ اس بناء پر وہی اس امر کا حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ توحید فی الخلق کے مطابق وہی دن رات کا خالق ہے، سورج، چاند، اجرام فلکی، اور آفاق اسی کے بنائے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے متعدد مقامات پر قرآن حکیم میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ درج ذیل آیتِ کریمہ میں مشرکین کی زبان سے اسی بات کے اقرار کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ○ (۱)

’’اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ نے، آپ فرما دیجئے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے○ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے، بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے (از خود) سزاوارِ حمد ہے○‘‘

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۵۔۲۶

قدرت و صلاحیتِ تخلیق سے توحیدِ خداوندی پر استدلال

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے سے متعلق صفات کا ذکر کرکے کفارو مشرکین سے سوال کیا کہ کیا وہ بت اور تماثیل جن کی تم پرستش کرتے ہو تخلیق کرنے کی وہ صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ خالق ہونے کے ناطے رکھتا ہے۔ پھر وہ اس امر کی تائید و توثیق کرتا ہے کہ جب یہ بت کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء اور کوئی عبادت و پرستش کے لائق اور حق دار نہیں۔ اللہ کی ذات ہی ہر چیز کے پیدا کرنے کی ابتداء اور اس کا اعادہ کرتی ہے اور اس کے لئے ہر بات آسان ہے۔ اس نے تمام کائنات بنائی۔ زمین و آسمان اور ان میں مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے اور وہی وقتِ معین پر ہر چیز کو ختم اور سامانِ ہستی کو نیست و نابود کر دے گا۔ ایک زلزلہ اور شدید جھٹکے کے نتیجے میں تمام کائنات ہست سے نیست میں بدل جائے گی۔

اللہ رب العزت کی ذات قادرِ مطلق ہے۔ سب دانائی اور حکمت کا وہی مالک ہے۔ کائنات میں کوئی دانائی و حکمت میں اس جیسا نہیں اور نہ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس کائنات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی نہیں۔

توحید فی الربوبیت میں شرک کے دو درجے ہیں: ذات اور خلق۔ اب اگر کوئی شرک کا الزام عائد کر رہا ہے تو اسے اس حوالے سے وضاحت کرنا ہوگی کہ یہ شرک، توحید فی الربوبیت کے کس درجے کی نفی ہے۔ توحید فی الخلق کی نفی ثابت ہو جانے سے ہی شرک فی الخلق ہوگا ورنہ نہیں۔ اگر کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی خالقیت کسی اور کے لئے ثابت کرتا ہے تو یہ شرک فی الخلق ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زمین و آسمان کو کوئی اور بھی پیدا کر سکتا ہے، خواہ جزوی طور پر ہی کیوں نہ ہو تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الخلق ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چھ آسمان تو اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں مگر ایک کسی اور نے بنایا ہے یا کوئی شخص اس جہانِ ارضی کا خالق کسی اور کو مانے یا یہ دعویٰ کرے کہ سورج، چاند، ستارے فلاں نے بنائے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی ایسا عقیدہ ہی نہیں رکھتا تو پھر شرک فی الخلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

• شرک فی الخلق والایجاد

توحید فی الخلق کی طرح شرک فی الخلق کا عقیدہ بھی قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ توحید فی الخلق کے مظاہر کی اس صراحت کے بعد اس کی تغلیط و تردید میں کچھ کہنے کی جسارت کرے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ط قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ○(۱)

’’آپ (ان سے دریافت) فرمائیے کہ کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تخلیق کی ابتداء کرے پھر (زندگی کے معدوم ہو جانے کے بعد) اسے دوبارہ لوٹائے، آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی (حیات کو عدم سے وجود میں لاتے ہوئے) آفرینش کا آغاز فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ (بھی) فرمائے گا، پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟‘‘

تفسیر القرآن بالقرآن کے استفہامیہ انداز میں اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ مبارکہ میں بطورِ استدلال فرمایا کہ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور بھی کائنات کو خلق کرنے اور عمل تخلیق کا اعادہ کرنے پر قادر ہے؟ پھر اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ تخلیق کرنا اور اس کا اعادہ کرنا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے۔ اس طرح توحید فی الخلق اور شرک فی الخلق کا فرق بڑی صراحت کے ساتھ واضح کرنے کے ساتھ اس کی تعریف بھی بیان فرما دی۔

۲۔ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) یونس، ۱۰: ۳۴

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ○ (۱)

''اور یہ (مشرک) لوگ جن (بتوں) کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں○''

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کو چیلنج کیا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ نہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اس وضاحت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تعریف خود ہی بیان کر دی اور شرک کو اس بنیاد پر رد کیا کہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اب اگر یہ عقیدہ کسی غیر کے لئے اس شانِ خالقیت کے ساتھ مانا جائے گا تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ کسی مخلوق کے لئے لفظِ خالق کا استعمال مجازی معانی میں ہوا ہے۔ اس لئے کہ حقیقی معنی میں کوئی بھی خالق نہیں ہوسکتا جس معنی میں اللہ تبارک و تعالیٰ خالق ہے۔ اگر اس معنی میں کوئی یہ عقیدہ کسی اور کے لئے رکھے خواہ پیغمبر ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ شرک ہوتا ہی تب ہے جب شانِ خالقیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لیا جائے۔ جب آپ نے کسی کو مخلوق مانا اور خالق نہیں مانا تو شرک فی الخلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیتِ مبارکہ کے الفاظ ''لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ'' سے ثابت ہے کہ خالقیت کا دعویٰ کرنے والے تو خود مخلوق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی غیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے اور اس کے ساتھ مجازی طور پر صفتِ خلق بھی منسوب ہو جائے تب بھی شرک نہیں ہوگا۔

۳۔ قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا○ (۲)

(۱) النحل، ۱۶: ۲۰

(۲) الفرقان، ۲۵: ۳

’’اور ان (مشرکین) نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے لیے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ (ہی مرنے کے بعد) اٹھا کر جمع کرنے کا (اختیار رکھتے ہیں)o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید بیان کر دی۔ اب اگر کوئی اس کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی شان یکتائی میں تضاد پیدا کرتا ہے تو وہ مشرک قرار پائے گا۔ عقیدۂ توحید کے قرآنی تصور نے خالق ومخلوق کے حوالے سے صفتِ خلق کی وضاحت کر دی کہ نظریۂ تخلیق کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ عقیدۂ توحید وشرک کا قرآنی تصور اس ابہام کو دور کر کے یہ واضح کر دیتا ہے کہ حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

پس دوسروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں موت وحیات کے مالک نہیں اور نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے مالک ہیں تو اس عقیدے سے شرک فی الخلق کی نفی ہو جاتی ہے۔ شرک فی الخلق تب ہو گا جب کوئی کسی غیر اللہ کو زندگی وموت کا خالق مانے۔ لیکن وہ جو خود پیدا ہوا ہے اور جسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ وہ قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھے گا اور قیامت کے دن کا خالق اللہ رب العزت ہے تو وہ توحید پر ہے۔ اور اگر کوئی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تو وہ مشرک ہے۔

قرآن میں اعجازِ مسیحائی کا جامع بیان

اللہ تعالیٰ احسن الخالقین (سب سے بہتر پیدا کرنے والا) ہے وہ بچے کی پیدائش کے وقت یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اندھا پیدا کرنا ہے یا بینا۔ اپنے اسی فیصلے کے مطابق وہ رحمِ مادر سے نابینا بچہ (Blind by Birth) پیدا فرماتا ہے جبکہ دوسری طرف قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کیے گئے ہیں کہ وہ مٹی سے پرندے کی شکل جیسا پتلا بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو

جاتا۔ برص کے مریض کو اپنے دست مسیحائی سے ٹھیک کر دیتے۔ مادر زاد نابینا کو بینائی عطا کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتے۔ اسی طرح بن دیکھے کھائے پیئے اور ذخیرہ کئے ہوئے مال و متاع کا بتا دیتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا م بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○(۱)

’’اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا (ان سے کہے گا) کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پُتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو○‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خلق کے فعل کی نسبت اپنی طرف کرنا مادر زاد اندھے کو بینائی دینا اور مردے کو زندہ کر دینا یہ سارے عمل انہوں نے واحد متکلم کے صیغے سے بیان کئے۔ ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ

(۱) آل عمران، ۳: ۴۹

الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ○(۱)

’’جس نے موت اور زندگی کو (اس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے، اور وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے○‘‘

موت اور زندگی کا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کی شانِ خلاقی ہے جبکہ دوسری طرف قرآن کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے میں زندگی پیدا کردی اور اڑا دیا۔ گویا جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دی اسے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی دی۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس نابینا بچہ لے کر آتے اور آپ علیہ السلام اسے اپنے معجزے سے بینا کر دیتے۔ وہ یہ نہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اسے بینائی عطا کرے گا بلکہ اسے بینا کرنے کا عمل اپنی طرف منسوب کرتے کہ اسے میں بینائی عطا کرتا ہوں۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے بینائی نہیں دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو بینائی دے دی ماں کے پیٹ سے بغیر بینائی کے پیدا ہونا کسی حادثے یا بیماری کا نتیجہ نہیں بلکہ پیدائشی ہے کیا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی توحید فی الخلق میں مداخلت سے تعبیر نہیں ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی شخص کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا اور وہ قبر میں مدفون بھی ہوگیا پھر جب اس کی لاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لائی جاتی تو وہ باذن اللہ کہہ کر معجزاتی طور پر اس کے مردہ جسم میں زندگی کی روح پھونک دیتے اور وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جاتا۔ کیا یہ عمل شرک فی الخلق ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرتے وقت قُمْ بِاِذْنِ اللہ کہہ دینا اس تصور کی وضاحت ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی خالقِ حقیقی ہے۔ بینائی اور زندگی دینے کے حوالے سے کہے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے تصورِ شرک کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ الفاظ کہنے پر مامور تھے اور ان کو یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا۔ لہٰذا اس معجزے کے نتیجے میں ہونے والے مافوق الفطرت اعمال کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ خود ہے۔

(۱) الملك، ۶۷: ۲

انبیاء و اولیاء ''بِاِذْنِ اللہ'' مختار ہوتے ہیں

انبیائے کرام علیہم السلام، اولیاء، صوفیاء اللہ تعالیٰ کے منتخب اور مقبول بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کچھ معاملات میں اختیار دے دیتا ہے جن کے دائرے میں رہ کر وہ اس اختیار کو بروئے کار لاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مختار و مجاز ہوتے ہیں۔ اس کی مثال قانون کی زبان میں یہ ہے کہ کوئی عرض گزار اس امر کا مجاز ہوتا ہے کہ چاہے وہ خود اصالتاً اپنے مقدمہ کی پیروی کرے یا وہ وکالتاً کسی کو بطورِ نائب اس امر کا اختیار سونپ دے۔ کسی موکل کے نمائندے عدالت میں اس کے وکلاء ہوں یا عدالتی قانون دان، وہ اپنے موکل کی وکالت کرتے ہوئے یا تو سیدھی سادھی زبان میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے فریق کے ساتھ یہ زیادتی ہوئی اور اس کا فلاں حق مجروح ہوا ہے، یا بصورتِ دیگر استعاراتی زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں: میرا فلاں حق سلب ہوا، میری فلاں جائداد کو نقصان پہنچا اور فلاں اموال سرقہ کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ دیکھا جائے تو حقیقت میں وکیل کے ساتھ ذاتی طور پر وہ کچھ نہیں ہوا ہوتا جو وہ بیان کر رہا ہے بلکہ جس کی نمائندگی کر رہا ہے اس کے ساتھ ہوا ہوتا ہے۔ لیکن وکیل کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے موکل کی ترجمانی میں صیغہ واحد غائب کی بجائے صیغہ واحد متکلم ادا کرے۔ لہٰذا حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دیگر انبیاء اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے تحت کسی مردے کو زندہ کرنے اور لاعلاج مریض کو شفا یاب کرنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو ان کا ایسا کرنا بلاتشبیہ و بلامثال اسی طرح ہے جیسے وکیل اور نمائندہ مدعی کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے لیکن وہ ذمہ داری مجازی معنی میں ہوتی ہے حقیقی معنی میں نہیں۔

سورۂ آل عمران کی زیرِ نظر آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان سے اپنے خالق ہونے کا اعلان کرایا۔ ساتھ ہی مٹی سے پرندہ بنانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کہا: ''میں اللہ کے حکم سے مٹی سے پرندے بناتا ہوں'' اور پھر سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کی تصدیق فرماتے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے عمل کی تائید میں وہی الفاظ دہرائے: اے

عیسٰی! تو نے میرے اذن سے مٹی سے پرندے بنائے، بیماروں کو تندرستی اور زندگی دی، کوڑھیوں کو شفا یاب کیا اور مردوں کو زندہ کیا۔ یہ ساری باتیں جب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے ہوئیں تو خود بخود شرک کی نفی ہوگئی۔

فعلِ الٰہی کی نسبت مجازاً اپنی طرف کرنا شرک نہیں

خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مارنا اور زندہ کرنا حقیقی معنی میں اسی کے ساتھ مختص ہے۔ لیکن وہ چاہے تو اپنے مقبول بندے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف مٹی سے پرندوں کے پیدا کرنے کے عمل کو منسوب کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفت، صیغۂ واحد حاضر کے استعمال سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت سے بیان ہوئی۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ اپنے مفہوم میں بڑے واضح ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پرندوں کا خالق کہنے سے شرک کا ارتکاب ہوا تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ شرک کا مرتکب کون ہو رہا ہے؟ جبکہ خالق کائنات نے خود قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزاتی عمل تخلیق کی تائید فرمائی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں مٹی سے پرندوں کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہوں تو ایسے میں شرک اور توحید میں فرق کی توضیح توجیہہ کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ایسی صورت میں شرک سے بچنے کی کوئی سبیل ہے؟ ہاں ہے وہ یہ کہ اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا یا دعویٰ ہوا اس کو شرک سے پاک رکھنے اور اس کو تابع توحید بنانے کا ایک ہی طریقہ اور کلمہ ہے اور وہ ہے بِاِذْنِ اللہ یعنی اللہ کے اذن سے۔ اس طرح وہ چیز جو بادی النظر میں ناممکن اور توحید کے منافی ہے ممکن اور عین توحید ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں پرندے پیدا کرنے کے عمل میں یہ پانچ الفاظ اس ترتیب سے بیان ہوئے یعنی:

۱۔ اَخْلُقُ	۲۔ فَاَنْفُخُ	۳۔ اُبْرِئُ
۴۔ اُحْیِ	۵۔ اُنَبِّئُکُمْ	

قرآن حکیم میں کئی جگہ اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ ان الفاظ کو شرک سے

کس چیز نے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان پانچوں الفاظ کے سیاق و سباق سے بِاِذْنِ اللہ ہٹا دیں تو یہ شرک ہو گا۔ کیا کوئی یہ کہنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ اللہ رب العزت شرک کو اپنے قرآن کا مضمون بنا کر معاذ اللہ شرک کی تعلیم خود اپنے پیغمبر کی زبان سے دے رہا ہے؟ جبکہ پیغمبر تو آتے ہی توحید سکھانے کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام قرآن مجید بھی سراسر توحید پر مبنی ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بھی ہرگز شرک نہیں بلکہ یہ بھی دراصل توحید پر لوگوں کا ایمان مضبوط کرنے کے لئے رونما ہوا۔ اس لئے یہ بھی عملِ توحید ہے اور اسے توحید بنانے والے ''باذن اللہ'' کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کسی عمل میں شامل ہوگئی تو یہ ساری چیزیں تابع توحید ہو گئیں۔

نوازشات وعنایاتِ الٰہیہ کو اللہ کی عطا کہنا شرک نہیں

یہاں یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ آیت مذکورہ بالا کے کلمات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بالصراحت ان امور کی نسبت اپنی طرف کی اور اپنے لئے خالق، نافخ، باری، خالق الموت اور خالق الحیات کی صفات بیان کیں، حالانکہ ان افعال کا فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ''باذن اللہ'' کے کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہو کر ظاہری الفاظ اور معانی سے قطع نظر توحید قرار پایا اسی طرح سرورِ کائنات نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بھی توحید قرار پائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو پوری زندگی معجزہ ہے۔ جب ''بِاِذْنِ اللہ'' کی شق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو شرک نہیں رہنے دیا اور یہ مضمون توحید پر مبنی ہو گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ کا بیان کیسے شرک سے تعبیر ہوسکتا ہے؟ ہم اللہ رب العزت کے نبی پیغمبر اور ولی کے بارے میں خلاف واقعہ کوئی چیز بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان سے صادر ہوتا ہے وہ ''بِاِذْنِ اللہ'' ہی ہوتا ہے وہ کسی چیز کے ذاتی مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہی عقیدہ قاطعِ شرک ہے کیونکہ باذن اللہ نوازشات وعنایاتِ الٰہیہ کو اللہ کی عطا کہنا ہرگز شرک نہیں۔ البتہ الفاظ کے حقیقی اور استعاراتی مفہوم میں فرق اور تمیز روا رکھنی بہرحال ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تخلیق کی قدرتِ

کاملہ کو اس کے بندوں سے منسوب کرنے کے نتیجے میں توحید اور شرک کا بیان خلط مبحث ہو کر رہ جائے گا۔

معنی و اطلاق کی تبدیلی سے شرک باقی نہیں رہتا

اظہار کے دو مختلف طریقے ہیں اور وہ دونوں قرآن مجید میں مذکور ہیں جن میں پہلا حقیقی اور دوسرا مجازی مفہوم کا حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی صفت اور خصوصیت کی درجہ بندی کرتے ہوئے بعض صفات و خصوصیات کو حقیقی اور بعض کو استعاراتی معنوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اوّل الذکر خصوصی اور امتیازی صفات ہیں جبکہ مؤخر الذکر محض استعاراتی و مجازی مفہوم رکھتی ہیں۔ شرک کی نفی اور توحید کا تحقق و اثبات تبھی ممکن ہے اگر امتیازی اور خصوصی صفت میں حقیقی اعتبار سے خالق کے ساتھ کسی اور کا اشتراک نہ مانا جائے۔

ان صفات و خصوصیات کے حوالے سے جو اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل اور مخلوق میں قدرِ مشترک کے طور پر پیدا کی ہیں الفاظ، تصورات اور جملوں کے استعمالِ عام کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں: جیسے لفظِ شہید اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ رؤوف، رحیم اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کے لئے بھی اور سمیع بصیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور انسان کے لئے بھی۔ ان مثالوں کے قرآنی حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ مخلوق کے لئے ان خصوصیات اور اختیارات کا استعمال مجازی اور استعاراتی مفہوم میں لیا گیا ہے اور وہ جائز ہے البتہ اگر یہی خصوصیات و صفات اور امتیازات اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں تو وہ حقیقی مفہوم میں ہوں گی نہ کہ مجازی مفہوم میں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معنی اور اطلاق کی تبدیلی سے شرک کا امکان باقی نہیں رہتا۔

مظاہر توحید و شرک میں دو کلیدی صفات

خالق اور مخلوق کے درمیان اشتراکِ صفات کے حوالے سے توحید و شرک کے تمام تر مظاہر کو سمجھنے کے لئے دو فنی اور تکنیکی چیزیں کلیدی درجہ رکھتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی صفت کا امتیاز و اختصاص حقیقی، مستقل اور غیر متبدل صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے مانا

جائے دوسری یہ کہ اس امتیاز و اختصاص میں اشتراک کو مخلوق کے لئے مجازی، فانی اور متبدل معانی کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ یہی دو امکانات ہیں، ان کے سوا کوئی تیسرا امکان نہیں۔ ان کلیدی صفات کا فہم توحید اور شرک کے فرق کو سمجھنے کے لئے بنیادی تقاضا ہے۔ اس فرق کو خالق اور مخلوق کے درمیان ملحوظ رکھا جائے تو توحید باری تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ماننا خارج از امکان ہو جائے گا۔ توحید اور شرک دونوں الگ الگ اور واضح تر ہو جائیں گے دونوں کو سمجھنے میں کوئی شک و شبہ اور التباس واقع نہیں ہو سکے گا۔

میلاد اور عرس منانا نفی شرک کا اعلان ہے

مندرجہ بالا اصول کے تحت حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد اور کسی بزرگ کا عرس منانا نفی شرک اور اعلانِ توحید ہے۔ اگر اس بات کا کوئی امکان حیطۂ خیال میں ہوتا کہ کوئی متنفس بغیر پیدا ہوئے اس دنیائے رنگ و بو میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوسکتا ہے تو وہ وجود حضور ختمی مرتبت ﷺ کا ہوتا لیکن جب ہم اعلانیہ بانگ دہل حضور ﷺ کا میلاد مناتے ہیں تو پھر شرک کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔ حضور ﷺ مخلوق میں بلند ترین ہستی ہیں لیکن خدا نہیں پس آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا جشن منانا توحید باری تعالیٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کا عُرس منانا بھی اِس امر کا واضح اظہار کرنا ہے۔ کہ وہ مخلوق ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور وصال فرماتے ہیں اس لیے خالق نہیں ہیں۔ کیونکہ صفتِ خالقیت کا ان پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

www.MinhajBooks.com